شیعہ مذہب کی سچی حقیقت

تحقیق وانصاف کی عدالت میں

مظلوم اہلِ بیت کا مقدمہ

معروف مجتہد عالم سید حسین موسوی نجفی کی مشہور عربی کتاب

"کشف الاسرار وتبرئة الائمة الاطہار"

کا رواں اور سلیس ترجمہ



مترجم

ابو کلثوم ہندی

ناشر

امام جعفر صادق اکیڈمی، لکھنؤ

تحقیق وانصاف کی عدالت میں

مظلوم اہل بیت کا مقدمہ

معروف مجتہد عالم سید حسین موسوی نجفی کی مشہور عربی کتاب
"کشف الاسرار وتبرئة الائمة الاطہار"
کارواں اور سلیس ترجمہ

مترجم
ابو کلثوم ہندی

ناشر
امام جعفر صادق اکیڈمی، لکھنؤ

عبد اللہ ابن سبا

شیعوں کا اہل بیت کی طرف انتساب

متعہ کا بیان

خمس کی حقیقت

نظریۂ خمس کے ارتقاء پر ایک نظر

آسمانی کتابیں

اہل سنت سے متعلق شیعوں کے نظریات

شیعیت کی تعمیر میں خارجی عناصر کا کردار

آخری بات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دل کی بات

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على نبينا سيد المرسلين وآله الطيبين والطاهرين والتابعين لهم باحسان الى يوم الدين. امابعد!

ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کی زندگی موت کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے، پھراس کے دوہی ٹھکانے ہیں، جنت یا پھر جہنم۔ اور مسلمان اسی بات کا متمنی اور اس کا آرزومند رہتا ہے کہ اس کا شمار اہل جنت میں ہو، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے اعمال کرے جو اس کے پروردگار کو خوش وراضی کرنے والے ہوں، اور ہراس چیز سے بچنے کی کوشش کرے جس سے اس کو دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے، اور جن کی پاداش میں انسان اللہ رب العزت کے غضب اور اس کی سزا کا مستحق ہوجاتا ہے، یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس کی بنا پر مسلمان اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کی فکروکوشش میں رہتا ہے اور ہراس راستہ کو اپنانا چاہتا ہے جو اس سے قرب کا ذریعہ بنے، یہ مزاج ہے ''عام مسلمانوں'' کا اور گویا ان کی طبیعت ثانیہ ہے، تو پھر اب اندازہ کیجیے کہ ان کے ''خواص'' کا کیا حال ہوگا۔

اس بات سے ہر ذی شعور واقف ہے کہ انسان کی زندگی میں مختلف راستے

ہیں۔ اور ان راستوں میں اس کے لیے بہت سی دلچسپیوں اور فتنوں کا سامان ہے، لیکن ایک ہوشمند اور صاحب عقل ودانش ہمیشہ اسی راستے کو اختیار کرتا ہے جو اس کو جنت تک لے جاتا ہے۔ اگرچہ یہ راستے پرپیچ اور پرخطر ہی کیوں نہ ہوں، اور ہمیشہ اس راستے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جس کا انجام ہمیشہ کی ہلاکت وبربادی ہے۔ اگرچہ وہ راستہ نہایت پرکشش، آسان اور سہل ہی کیوں نہ ہو۔

یہ رسالہ ایک علمی تحقیق کی شکل میں پیش خدمت ہے۔ اس کو بیان کرنے والی زبان بھی میری ہے، اور اسے الفاظ کا پیکر دینے والا قلم بھی میرا ہے، اور میری اس کوشش کا مقصود صرف اللہ رب العزت کی خوشنودی ہے، اور جب تک بقید حیات رہوں اپنے ساتھیوں کی خیرخواہی کا جذبہ ہے اور بس۔

کربلا کی سرزمین پر میں نے آنکھیں کھولیں اور ایسے ماحول میں پروان چڑھا جہاں شیعیت کا چرچا تھا، میرے والد ایک دیندار شخص تھے، ان کا سایہ میرے سر پر تھا، شہر ہی کے ایک مدرسہ میں میری تعلیم کا آغاز ہوا اور پھر دھیرے دھیرے میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا، والد محترم نے میری تعلیمی ترقی اور علم کی چشمۂ حیواں سے سیراب ہونے کے لیے نجف کے علمی حوزہ کا انتخاب کیا۔ یہ حوزہ پورے عالم اسلام میں ایک مرکزی شان کا حامل ہے۔ اس کو سماحۃ الامام سید محمد آل حسین کاشف الغطاء جیسے معروف ومشہور جلیل القدر علماء کی خدمات حاصل ہیں۔

میں نے نجف کے اسی معروف ومشہور علمی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، میری تمنا تھی کہ میری زندگی میں وہ دن بھی آئے جب ایک ''دینی مرجع'' کی حیثیت سے میرا نام ہو اور حوزہ کے علماء ومشائخ بھی میری طرف رجوع کریں، اور میں اپنے دین اور اپنے قوم کی خدمت کرسکوں، اور مسلمانوں کی ترقی اور ان کی سربلندی کا ذریعہ بن سکوں۔ میری ہمیشہ سے یہی آرزو تھی کہ مسلمان ایک جماعت اور ایک ملت بن کر اس دنیا میں رہیں۔ ان کا صرف ایک امام ہو جس کی

سب اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ اس وقت میں اپنی آنکھوں سے کفر کے ایوانوں کو متزلزل ہوتے اور ملت اسلامیہ کے سامنے ڈھیر ہوتے دیکھوں۔ اس طرح کی نہ جانے کتنی آرزوئیں اور تمنائیں ہیں جو خوددار و غیور جوانان اسلام کے دل میں مچلتی رہتی ہیں۔

میں سوچا کرتا تھا کہ مسلمانوں کی اس پستی ان کی کسمپرسی اور باہمی رسہ کشی کے اسباب کیا ہیں؟ اس طرح کے بہت سی باتوں کو میں جاننے کی کوشش کرتا جو میرے سینہ میں جنم لے رہی تھیں۔ بلکہ ہر مسلم نوجوان کے دل کو یہ باتیں دستک دیتی ہیں لیکن ان سوالوں کا جواب کہیں نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں حصول علم سے وابستہ ہوگیا۔ دوران تعلیم میں ایسے نصوص و مباحث پڑھتا جو مجھے تشویش میں مبتلا کر دیتے۔ ایسے قضایا سے واسطہ پڑتا جو میرے دل کو بے چین کر دیتے، اور ایسے حوادث اور وقائع کا سامنا ہوتا جو مجھے ششدر کر دیتے لیکن میں خود کو کوستا اور اپنی کم علمی و کوتاہ فہمی کو قصوروار ٹھہراتا، آخر کار ایک دن میں نے فیصلہ کیا کہ یہ ساری باتیں اس علمی درسگاہ کے ایک استاذ کے سامنے پیش کر دوں۔ وہ ایک ذہین اور چالاک شخص تھا۔ اس نے فوراً ہی بھانپ لیا کہ میرا علاج کس طرح ممکن ہے، چنانچہ اس نے چند الفاظ کے ذریعہ اس چنگاری کو شعلہ بننے سے پہلے ہی بجھا دینا چاہا۔

اس نے مجھ سے کہا: ''تم یہاں حوزہ میں کیا پڑھتے ہو؟''

''ظاہر سی بات ہے اہل بیت کا مذہب پڑھتا ہوں'' میں نے جواب دیا۔

اس نے کہا: ''کیا تم کو اہل بیت کے مذہب میں کوئی شک ہے؟''

میں نے پوری قوت سے کہا: کہ خدا کی پناہ (اگر میں ایسا سوچوں بھی تو)

اس پر اس نے کہا: پھر ایسے وسوسوں کو اپنے دل سے نکال دو، کیوں کہ تم اہل بیت علیہم السلام کے متبعین میں سے ہو، اور اہل بیت کے معلم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا ہے۔

میں تھوڑی دیر خاموش رہا اور پھر میرے جی کو سکون محسوس ہونے لگا، میں نے اس سے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، آپ نے ان وساوس سے مجھے نجات دلائی۔ اور پھر میں اپنی پڑھائی میں منہمک ہوگیا۔ لیکن یہ سارے سوالات اور وسوسے میرے دماغ میں بار بار عود کرآتے، اور جیسے جیسے میرا تعلیمی سلسلہ آگے بڑھتا جاتا اس طرح کے سوالات، قضایا، مسائل و مشکلات میں اضافہ ہوتا جاتا۔

آخر کار میری زندگی میں وہ اہم گھڑی بھی آئی جب میں نے امتیازی طور پر اپنی تعلیم مکمل کی، اور مجھے حوزہ کے ذمہ دار اور اپنے وقت کے مجتہد اعظم سماحۃ الامام سید محمد آل حسین کاشف الغطاء کے دست مبارک سے اجتہاد کی سند تفویض کی گئی۔

اس حیثیت پر پہنچنے کے بعد میں نے ایک بار پھر اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کیا۔ میں سوچتا کہ ہم مذہب اہل بیت کی تعلیم حاصل کرتے ہیں لیکن جو کچھ ہم پڑھتے ہیں ان میں مجھے اہل بیت کی شان میں گستاخیاں اور بے ادبیاں بھی نظر آتی ہیں۔ ہم شریعت اسلامی کے امور واحکام کا درس لیتے ہیں تاکہ خدائے واحد کی کما حقہ بندگی کرسکیں مگر اس میں ایسی کھلی ہوئی باتیں بھی ہوتی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کا کفر وانکار لازم آتا ہے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ خدایا! آخر ہم کس چیز کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں؟ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ یہی اہل بیت کا حقیقی اور اصلی مذہب ہو؟ یہ تو ایک انسان کی شخصیت کو داغدار کرنے والی چیز ہوئی کہ وہ کس طرح سے اس رب کی عبادت کرے جس کے ساتھ وہ کفر بھی کرتا ہے؟ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو کیسے اختیار کرسکتا ہے۔ جب کہ وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کیچڑ بھی اچھالتا ہے؟ اہل بیت کی پیروی، ان کی محبت اور ان کے مذہب کی تعلیم وتدریس کیسے ممکن ہے جب کہ وہ ان کی شان میں گستاخیاں بھی کرتا

ہے اور انھیں گالیاں بھی دیتا ہے؟!

پروردگار! تیری ہی رحمت کا آسرا اور تیرا ہی لطف وکرم ہے، اگر تیری رحمت بے پایاں میرے شامل حال نہ ہوتی تو میں گمراہ بلکہ برباد ہو جاتا!

میں بار بار یہی سوالات خود سے دہراتا اور اپنے آپ سے پوچھتا کہ وہ سادات کرام اور ائمہ عظام اور وہ علمائے دین جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کا اس سلسلہ میں کیا موقف ونظریہ تھا؟ آخر اس سلسلہ میں وہ کیا سوچتے تھے؟ کیا انھیں یہ ساری چیزیں نظر نہیں آتی تھیں جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں؟ اور کیا وہ ان ساری باتوں کو نہیں پڑھتے تھے جو کچھ میں نے پڑھا ہے؟! لیکن افسوس کہ اس سلسلہ کی بہت ساری کتابیں تو خود انھیں کی تصنیف کردہ ہیں! اور یہ انھیں کے قلم کی سیاہی ہے جس نے اس موضوع پر صفحات کے صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں!

ان ساری باتوں سے میرا دل خون کے آنسو روتا اور میرا حزن والم، میرا درد وکرب اور حسرت ویاس بڑھتا ہی جاتا!! چنانچہ اب مجھے ایک ایسی ذات کی سخت ضرورت محسوس ہوئی جس سے میں اپنا حال دل کہہ سکوں، اور اپنے دل کی سوزش اور بے کلی واضطراب اس کے سامنے رکھ سکوں۔ اور پھر مجھے اس بات کی توفیق ملی کہ میں نے جو کچھ پڑھا ہے اور اب تک جن علمی مباحث سے میرا واسطہ رہا ہے ان پر نئے سرے سے غور وخوض کروں، چنانچہ میں نے ہر ان مصادر کو پڑھنا شروع کیا جو معتبر تھیں اور ان کو بھی جو غیر معتبر سمجھی جاتی تھیں، بلکہ میں نے ہر وہ کتاب پڑھ ڈالی جو میرے ہاتھ لگی۔ دوران مطالعہ ایسی عبارتیں اور ایسے نصوص میرے سامنے آتے کہ دل بے اختیار کہہ اٹھتا کہ اس پر کوئی حاشیہ چڑھادوں، چنانچہ میں نے ان نصوص کو یکجا نقل کرنے اور ان پر حاشیہ چڑھانے کا کام شروع کیا۔ رفتہ رفتہ میرے پاس کاغذ کے ٹکڑوں کا ایک انبار جمع ہو گیا۔ میں نے ان مسودوں کو محفوظ کر لیا اس امید پر کہ کبھی وہ دن بھی آئے گا کہ جب اللہ رب العزت کا فیصلہ نافذ ہوگا!

اس دوران میرا علمی وتحقیق مراجع سے استفادہ برابر جاری رہا، علمائے کرام اور سادات عظام سے میرے تعلقات بدستور خوشگوار رہے، میں ان سے برابر ملاقاتیں کرتا، ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اس لیے کہ یہی ایک صورت تھی اس حقیقت تک رسائی کی جہاں پہنچ کر کوئی حتمی فیصلہ کرنا میرے لیے آسان ہو سکے۔ بالآخر بہت سے مراحل سے گزرنے کے بعد مجھے شرح صدر ہو گیا اور میں نے ایک حتمی ودائمی فیصلہ کر ہی لیا، لیکن ابھی مجھے مناسب موقع کا انتظار تھا۔ میرے سامنے میرے فاضل دوست علامہ سید موسیٰ موسوی کی ذات ایک بہترین مثال تھی کہ انھوں نے شیعیت کے انحراف پر کھل کر نکیر کی، اور اس کو اس کے صحیح نہج پر لانے کی سنجیدہ اور ٹھوس کوششیں کیں۔ اس کے علاوہ برادرم سید احمد کاتب کی کتاب بھی چھپ کر سامنے آ چکی تھی جس کا عنوان تھا "تطور الفکر الشیعی" (شیعیت کا ارتقاء)۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اب وقت آ چکا ہے کہ حق کا برملا اعلان کیا جائے، اور اپنے وہ بھائی جو دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں اور ان کی نگاہوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں، ان کے سامنے حقیقت واضح کی جائے، کیوں کہ عالم دین ہونے کی حیثیت سے یہ ہماری ذمہ داری ہے اور روز قیامت ہم سے اس سلسلہ میں پوچھا بھی جائے گا۔ چنانچہ ضروری ہے کہ حق بات ان تک پہنچائی جائے اگرچہ یہ حق بات ان کو کڑوی ہی کیوں نہ لگے!

ممکن ہے کہ ان علمی مباحث کو پیش کرنے میں میرا طرز واسلوب سید موسوی اور احمد کاتب دونوں سے مختلف ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوران طالب علمی میں ہم سب الگ الگ نتائج سے دو چار ہوئے، اور ہمارے تاثرات مختلف رہے، کیوں کہ ان کا ماحول اور ان کے حالات میرے ماحول اور اور میرے حالات سے مختلف تھے، اس کے علاوہ ان دونوں نے عراق کو خیرباد کہہ کر کسی مغربی ملک میں اقامت اختیار کر لی، اور اپنے کام کا آغاز وہیں سے کیا، لیکن میں نے نہ عراق کو

چھوڑا اور نہ نجف ہی کو۔ اس کے علاوہ جس قدر وسائل مجھ کو فراہم تھے وہ ان کو حاصل نہیں ہو سکے، عراق میں رہنے یا اس کو ترک کرنے کے سلسلہ میں بہت غور و خوض کے بعد میں نے یہ تہیہ کیا کہ اب یہیں رہنا ہے، اور صبر کے ساتھ اور اللہ رب العزت کی ذات سے ثواب کی امید کے ساتھ اپنے مشن کا آغاز کرنا ہے۔

مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہاں بہت سے ایسے سادات بھی ہیں جو شیعیت کے متعلق سب کچھ دیکھتے ہیں، سمجھتے ہیں اور شیعیت کی معتبر اور اہم مصادر میں پڑھتے بھی ہیں، مگر انھوں نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے اور اس سب پر گویا وہ راضی برضا ہیں! لیکن ان کی اس خاموشی پر ان کا ضمیر ان کو کچوکے بھی لگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری یہ کتاب ان کے لیے احتساب نفس کا ذریعہ بنے، باطل کے راستہ کو ترک کرنے اور راہ حق کو اپنانے میں ممد و معاون ثابت ہو۔ زندگی بہت مختصر ہے۔ حجت تمام ہو چکی ہے، اور اب ان کے لیے کوئی عذر قابل قبول نہیں!

بعض سادات ایسے بھی ہیں جن سے میرے مضبوط اور گہرے تعلقات ہیں، انھوں نے الحمدللہ میری دعوت پر لبیک کہا، اور جن حقائق تک میں نے رسائی حاصل کی ہے ان سے وہ بھی واقف ہوئے، اور پھر انھوں نے دوسروں کو بھی راہ راست پر لانے کی کوششیں کیں، بارگاہ رب العزت میں دعا ہیکہ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم دوسروں کے سامنے حقیقت کے درو کر سکیں، اور جس گھٹا ٹوپ اندھیارے میں وہ بھٹک رہے ہیں اس سے ان کو متنبہ کر سکیں، بلاشبہ یہ ایک اہم ترین اور نازک ترین فریضہ ہے۔

میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میری اس کتاب کا حشر کیا ہوگا؟ اس کو رد کر دیا جائے گا، اس کی تکذیب کی جائے گی، مجھ پر نازیبا الزامات لگائے جائیں گے، مگر مجھ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا! کیوں کہ اس میں جو کچھ بھی لکھا ہے وہ سب

میرے ذمہ ہے۔ مجھ پر یہ بھی الزام لگایا جائے گا کہ میں امریکہ یا اسرائیل کا ایجنٹ ہوں۔ یہ بھی کہا جائے گا کہ میں نے دنیا کی حرص میں اپنے دین اور اپنے ضمیر کا سودا کر لیا۔ اس میں کوئی بھی چیز نہ ناممکن ہے اور نہ تعجب خیز ہے! اس سے پہلے علامہ موسیٰ موسوی پر بھی اس طرح کے الزامات لگائے جا چکے ہیں، سید علی غروی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ملک فہد ابن عبدالعزیز نے خوبصورت لڑکیوں اور مال و دولت کی لالچ دے کر ڈاکٹر موسیٰ کو ورغلایا اور ان کو بے وقوف بنایا اور ایک خطیر رقم امریکہ کے کسی بینک میں ان کے اکاؤنٹ جمع بھی کر دی، صرف اس لیے کہ وہ وہابی مذہب اختیار کر لیں۔

جب ڈاکٹر موسوی کے خلاف اس طرح کی کذب بیانی اور افترا پردازی کی گئی اور ان سے متعلق گھٹیا قسم کی باتیں عام کی گئیں تو خدا ہی جانے میرا کیا حشر ہونے والا ہے؟ اور میرے متعلق کس طرح کی ہفوات اور بکواس پھیلائی جائیں گی؟!! ممکن ہے کہ مجھے تلاش کر کے قتل کرنے کی کوشش بھی کی جائے جیسا کہ اب تک ہر اس شخص کا حال ہوا جس نے اظہار حق کا فریضہ انجام دیا۔

علامہ آیۃ اللہ امام سید ابوالحسن اصفہانی کا شمار امام غائب کے وقت سے لے کر اب تک کے کبار ائمہ شیعہ میں ہوتا ہے، اور بغیر کسی تنازع و اختلاف کے وہ علمائے شیعہ کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، جب انھوں نے بھی شیعیت کی اصلاح کرنی چاہی اور اس میں جو خرافات در آئی ہیں ان کو نکال پھینکنا چاہا تو شیعوں کو یہ بات راس نہ آئی اور انھیں اس کام سے روکنے کے لیے ان کی اولاد کو بے رحمی کے ساتھ مینڈھے کی طرح ذبح کر دیا گیا۔ اسی طرح جب سید احمد کسروی نے شیعیت میں سدھار کی فکر و کوشش کی اور اس کے انحراف سے اپنی برأت کا اعلان کیا تو یہی شیعہ ہی تھے جنھوں نے ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ یہ اور اس طرح کی مثالیں بھری پڑی ہیں کہ جب کسی نے شیعیت

کے ان باطل عقائد کی تردید کی کوشش کی تو اس کا انجام ایسا ہی دردناک ہوا، تو اگر میرا انجام بھی کچھ اسی طرح کا ہو تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں! اس طرح کی باتوں سے مجھے کوئی فرق پڑنے والا نہیں، میں نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ میں حق بات کہہ کر رہوں گا، اپنے بھائیوں کی بھلائی کے لیے، ان کی یاددہانی کے لیے اور حقیقت کی طرف ان کی نگاہوں کو پھیرنے کے لیے میں کوشش کرتا رہوں گا، اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ اس سے مجھے کوئی دنیوی غرض مقصود ہے تو وہ خوب سمجھ لیں کہ متعہ کی لذت اور خمس کی دولت میری دنیوی آرزوئیں پوری کرنے کے لیے کافی تھی، جیسا کہ دوسروں کا شیوہ ہے اور آج ان کا شمار شہر کے رئیسوں میں ہوتا ہے، وہ بہترین اور نئے انداز کی (New Model) گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں، لیکن اللہ کا فضل اور اس کا احسان ہے کہ دل کی آنکھیں کھل جانے کے بعد ان ساری چیزوں سے کلی طور پر اپنا دامن بچا کر ایک شریف اور عام انسان کی طرح زندگی گزار رہا ہوں اور تجارت کر کے میں اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ پالتا ہوں۔

میں نے اس کتاب میں محدود اور متعین موضوعات پر ہی بحث کی ہے، تاکہ میرے سبھی بھائی ان کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہو سکیں، اور کسی بھی شخص کی نگاہ سے حقیقت اوجھل نہ رہے۔ میرا ارادہ ان کے علاوہ دوسرے موضوعات پر بھی کتابیں لکھنے کا ہے، تاکہ سارے مسلمانوں کے لیے حجت قائم ہو جائے۔

غفلت کی زندگی گزارنے والے کسی شخص کے سامنے کوئی عذر نہ رہے اور جہالت کے اندھیرے میں بھٹکنے والے کے سامنے کوئی دلیل نہ بچے۔

مجھے پوری امید ہے کہ یہ کتاب طالبین حق کے نزدیک (الحمدللہ جن کی تعداد کچھ کم نہیں) قبولیت عام حاصل کرے گی، اور جن لوگوں نے گمراہی اور ضلالت کی زندگی کو ترجیح دے رکھی ہے (تاکہ ان کے پیروں تلے سے زمین کھسکنے نہ پائے کہ

اس کے نتیجہ میں وہ متعہ کی لذت اور خمس کی دولت سے محروم ہو سکتے ہیں) یہ لوگ ہیں جنھوں نے سر پر دستاریں باندھ رکھی ہیں اور مرسڈیز (Mercedez) اور سوپر (Super) جیسی اعلیٰ گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں تو ایسے لوگ ہمارے مخاطب نہیں! جو کچھ ان لوگوں نے کیا ہے یا جو وہ کریں گے اللہ تعالیٰ ہی ان سب کا نگراں ہے اور وہی ان سے اس دن حساب لینے والا ہے جس دن نہ دولت کی فراوانی کام آئے گی اور نہ اولاد کی کثرت۔ ہاں! مگر وہ شخص کامیاب ہے جو اس دن اللہ کے حضور پاکیزہ دل لے کر حاضر ہوگا۔

والحمد لله الذی هدانا لهٰذا وماکنا لنهتدی لولا ان هدانا الله

سید حسین موسوی (نجف۔عراق)

عبداللہ ابن سبا

ہم شیعوں نے یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ عبداللہ ابن سبا ایک افسانوی شخص تھا، جس کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں، شیعوں کی ذات کو مطعون کرنے اور ان کے عقائد پر نشتر چلانے کے مقصد سے سنیوں نے اس کو وجود بخشا، اور پھر اس کو ''شیعیت کے مؤسس'' کی حیثیت سے متعارف کرایا تا کہ لوگوں کو شیعوں اور اہل بیت کے عقائد سے دور رکھا جا سکے۔

میں نے محمد حسین آل کاشف غطاء سے ابن سبا کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: ''ابن سبا ایک افسانوی شخص ہے، جس کا قصہ امویوں اور عباسیوں نے اہل بیت سے بغض وکینہ میں وضع کیا تھا، ایک صاحب عقل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے چکر میں نہ پڑے''۔ لیکن جب میں نے ان کی معروف کتاب ''أصل الشيعة وأصولها'' کا مطالعہ کیا تو اس میں ایسی باتیں مذکور دیکھیں جن سے ابن سبا کے وجود کا پتہ چلتا ہے، اس میں لکھا تھا: ''جہاں تک عبداللہ ابن سبا کا تعلق ہے جس کو شیعوں سے متعلق یا شیعوں کو جس سے وابستہ بتایا جاتا ہے، تو یاد رہے کہ شیعیت کی ساری کتابیں اس پر لعنت بھیجتی ہیں اور اس سے اپنی برأت کا اعلان کرتی ہیں''۔

اس عبارت سے ابن سبا کے وجود کا بخوبی علم ہوتا ہے، چنانچہ اب میں نے اس سلسلہ میں ان سے مراجعت کی تو انھوں نے بتایا کہ ہم نے اس میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ بطور ''تقیہ'' ہے، کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس سے مقصود اہل سنت ہیں، اسی لیے ہم نے بعد میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ یہ بات بھی دور از قیاس نہیں کہ کوئی یہ کہے کہ عبداللہ ابن سبا اور اس جیسے لوگ افسانوی ہیں اور قصہ گو واعظوں نے اسے گڑھ لیا ہے''۔

سید مرتضیٰ عسکری نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''عبدالله ابن سبا واساطير اخرىٰ'' (عبداللہ ابن سبا اور دیگر افسانے) اس میں انھوں نے ابن سبا کے وجود کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح اس کتاب کے مقدمہ میں سید محمد جواد مغنیہ نے بھی ابن سبا کی شخصیت کا انکار کیا ہے۔

جن اسباب کی بنا پر شیعہ عام طور پر اہل سنت کو نشانہ بناتے ہیں ان میں ایک بنیادی سبب عبداللہ ابن سبا بھی ہے، حالاں کہ اہل سنت کی ایک بڑی تعداد ہے جو ابن سبا کو تنقید کا موضوع بناتی ہے لیکن ان سے اختلاف کی بنیاد پر شیعہ ان کی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔

عبداللہ ابن سبا۔ ایک حقیقت:

ہم نے جب شیعیت کی معتبر کتابوں سے رجوع کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ عبداللہ ابن سبا ایک حقیقی شخص ہے اگر چہ ہمارے بہت علما اس کا انکار کرتے ہیں۔ تفصیلات حسب ذیل ہے:

(۱) ابو جعفر (علیہ السلام) کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن سبا نبوت کا دعوی کرتا تھا اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ امیر المومنین ہی خدا ہیں، جب یہ خبر امیر المومنین (علیہ السلام) کے پاس پہنچی تو انھوں نے اس کو بلوایا اور اس سلسلہ میں اس سے پوچھا تو اس نے اس

بات کا اقرار کیا او کہا: بے شک آپ ہی خدا ہیں، اور میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ آپ رب ہیں او میں نبی ہوں۔ امیر المومنین نے فرمایا: تیرا ناس ہو! تیرے اوپر شیطان کا جادو چل گیا ہے تیری ماں تجھ پر روئے، بچ اس بات سے رجوع کر، اور توبہ کر۔ اس نے انکار کیا، تو آپ نے اس کو قید کرنے کا حکم دیا، اور تین دن کی مہلت دی، تینوں راتیں اسی طرح بیت گئیں لیکن اس نے توبہ نہ کی، آخر آپ نے اسے جلانے کا حکم دیا، اور فرمایا: شیطان نے اس پر قابو پالیا ہے، وہ اس کے پاس آتا ہے اور اس کے دل میں ایسی باتیں ڈالتا ہے۔

ابو عبداللہ (علیہ السلام) فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ عبداللہ ابن سبا پر لعنت کرے، اس نے دعوی کیا کہ امیر المومنین (علیہ السلام) ہی خدا ہیں، حالاں کہ بخدا! امیر المومنین تو صرف اللہ تعالیٰ کے ایک نیک اور فرمانبردار بندے تھے۔ اس کی بربادی ہو جس نے ہماری تکذیب کی، کچھ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں بھی کہتے ہیں جس کے ہم قائل نہیں، ہم اللہ کے نزدیک ان سے اپنی مکمل برأت کا اعلان کرتے ہیں، ہم اللہ کے نزدیک ان سے اپنی مکمل بیزاری کا اظہار کرتے ہیں'' (۱)

(۲) مامقانی کا کہنا ہے: ''عبداللہ ابن سبا وہ ہے جس نے کفر اختیار کیا اور اس میں بھی غلو سے کام لیا''۔

نیز فرماتے ہیں: ''وہ انتہا پسند اور سرکش تھا، امیر المومنین نے اسے آگ میں جلانے کا حکم دیا تھا کیوں کہ وہ کہتا تھا کہ علی خدا ہیں اور وہ خود نبی ہے''۔ (۲)

(۳) نوبختی کا کہنا ہے: ''عبداللہ ابن سبا کے ماننے والوں کا کہنا تھا کہ حضرت علی امام ہیں اور اس کا اعتراف کرنا اللہ کی جانب سے ایک فریضہ ہے۔ ابن سبا ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں دشنام طرازی کی اور ان پر تبرا کیا، اور کہا کہ

(۱) معرفة اخبار الرجال للكيشي، ص: ۷۰، ۷۱۔ (۲) تنقيح المقال فی علم الرجال: ۲/۱۸۳، ۱۸۴۔

حضرت علی نے اسے اس بات کا حکم دیا ہے۔ حضرت علی کو معلوم ہوا تو اسے پکڑوایا اور اس سے اس کے اس قول کے بارے میں پوچھا، اس نے اقرار کیا، تو حضرت علی نے اس کے قتل کا حکم دیا اس پر اس کی حمایتی چیخ پڑے کہ آپ ایسے شخص کے قتل کا حکم دیتے ہیں جو آپ کے اور اہل بیت سے محبت کا داعی ہے، آپ کی ولایت کا اور آپ کے دشمنوں سے برأت کا علمبردار ہے؟ چنانچہ حضرت علی نے اسے جلاوطن کر کے مدائن بھیج دیا۔

اہل علم کی ایک جماعت کا ماننا ہے کہ عبداللہ ابن سبا پہلے یہودی تھا، پھر اس نے اسلام قبول کیا، اور حضرت علی کی رفاقت اختیار کی جب وہ یہودی تھا تو موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون کے بارے میں ایسی ہی باتیں کرتا تھا، اور پھر اسلام قبول کرنے کے بعد یہی باتیں وہ حضرت علی کے بارے میں بھی کہنے لگا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی کی امامت کی فرضیت کی بات کہی اور آپ کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعیت کے مخالفین کہتے ہیں کہ رافضیت دراصل یہودیت سے ماخوذ ہے۔ (۱)

(۴) سعد ابن عبداللہ اشعری قمی سبائیوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''سبائی عبداللہ ابن سبا کے ماننے والے کو کہتے ہیں، اس کا نام عبداللہ ابن وہب راسبی ہمدانی تھا، اس کے اہم معاونین میں عبداللہ ابن خرسی اور ابن اسود تھے، یہ دونوں اس کے خاص دوست تھے۔ اور ابن سبا پہلا شخص ہے جس نے حضرت بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور دیگر صحابہ کی شان میں گستاخی کی اور ان پر تبرا پڑھا''۔ (۲)

(۵) ابن ابی الحدید کا کہنا ہے: کہ ایک مرتبہ حضرت علی خطبہ دے رہے تھے کہ ابن سبا کھڑا ہوا اور کہنے لگا: آپ، آپ۔ اور یہ لفظ دہرانے لگا۔ حضرت علی نے فرمایا: تیرا ناس ہو! میں کیا؟ تو اس نے کہا: آپ خدا ہیں۔ اس پر آپ نے اس کو اور

(۱) فرق الشيعة، ص: ۳۲، ۴۴. (۲) المقالات والفرق، ص: ۲۰.

اس کے حامیوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔(۱)

(۶) سید نعمۃ اللہ جزائری کہتے ہیں: ''عبداللہ ابن سبا نے حضرت علی سے کہا کہ آپ خدائے برحق ہیں۔ اس کی پاداش میں حضرت علی نے اس کو مدائن جلا وطن کردیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ یہودی تھا پھر اس نے اسلام قبول کیا، اور جب یہودی تھا تو جو باتیں اس نے حضرت علی کی شان میں کہیں وہی باتیں وہ حضرت یوشع بن نون اور حضرت موسیٰ کے بارے میں بھی کہتا تھا۔(۲)

یہ چھ روایتیں ان معتبر اور متعدد مراجع کی کتابوں سے ماخوذ ہیں جن میں سے بعض کا تعلق فن اسماء الرجال سے ہے اور بعض کا تعلق فقہ اور عقائد وفرق سے ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے دوسرے مراجع بھی ہیں جن کو ہم نے یہاں نہیں چھیڑا، اس ڈر سے کہ کہیں بحث طویل نہ ہو جائے۔

ان ساری کتابوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عبداللہ ابن سبا کی ایک حقیقت ہے جس کے وجود کا انکار کرنا اب ہمارے لیے ممکن نہیں، حضرت علی کو خدا کہنے کی وجہ سے وہ ان کے عتاب کا شکار ہوا تھا، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امیر المومنین کی ابن سبا سے ملاقات ہوئی ہے، اور امیر المومنین ہی ہمارے لیے بطور دلیل کافی ہیں، اس کے بعد ابن سبا کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

جن دلائل کو ہم نے ذکر کیا ان سے مندرجہ ذیل باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

(۱) عبداللہ ابن سبا ایک حقیقی شخص تھا، ایک جماعت اس کی تائید کرنے والی اور اس کے نظریات کو قبول کرنے والی تھی، یہ فرقہ ''سبائیہ'' کے نام سے معروف ہے۔

(۲) عبداللہ ابن سبا ایک یہودی شخص تھا جس نے بعد کو اسلام قبول کیا، اس نے ظاہر میں اسلام قبول کیا تھا لیکن حقیقت میں یہودیت ہی پر قائم تھا، جس کے سہارے اس نے مسلمانوں میں یہودیت کے جراثیم پھیلائے۔

---

(۱) شرح نهج البلاغة، ۵/۵۔ (۲) الانوار النعمانية: ۲/۲۳۴۔

(۳) عبداللہ ابن سبا ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ کی شان میں زبان درازی کی، یہی وہ شخص ہے جس نے امیر المومنین حضرت علی کے امام ہونے کی بات کہی، اور یہ بھی کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''وصی'' ہیں۔ یہ باتیں اس نے یہودیت سے اخذ کی تھیں، اور اس نے جو کچھ بھی کہا وہ اہل بیت کی محبت، ان کی ولایت کے نظریہ کی حمایت، اور (بزعم خود) ان کے دشمنوں یعنی صحابۂ کرام اور جو ان سے دوستی رکھے ان سے برائت کے جذبہ میں کہا۔

خلاصہ کلام یہ کہ عبداللہ ابن سبا ایک حقیقی شخص تھا، جس سے تجاہل برتنا یا اس کا انکار کرنا ممکن نہیں، اس سلسلہ میں ہماری معتبر کتابوں میں صراحت موجود ہے، جو اس شخص کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید ہے:

ثقفی کی "الغارات"۔ حلی کی "رجال الطوسی" اور "الرجال"۔ تستری کی "قاموس الرجال"۔ اسلمی حائلی کی "دائرة المعارف" (معروف بہ مقتبس الأثر) عباس قمی کی "الكنىٰ والالقاب" احمد ابن طاؤس (م۶۷۳ھ) کی "حل الاشكال" ابن داؤد کی "الرجال"۔ طاؤسی کی "التحرير"۔ قہپانی کی "مجمع الرجال"۔ تفرشی کی "نقد الرجال"۔ مقدسی اردبیلی کی "جامع الرواة"۔ ابن شہر آشوب کی "مناقب آل ابی طالب"۔ محمد بن طاہر عاملی کی "مرأة الانوار"۔

یہ محض چند کتابیں ہیں جو بطور مثال پیش کی گئیں، ورنہ ہماری مراجع کی بیسیوں کتابوں میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

یہاں تعجب خیز بات یہ ہے کہ ہمارے فقہا جن میں مرتضیٰ عسکری، سید محمد جواد مغنیہ جیسے لوگ بھی شامل ہیں، وہ عبداللہ ابن سبا کے وجود کا انکار کرتے ہیں، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کی باتوں میں سچائی کی کوئی جھلک نہیں۔

☆☆☆☆☆

شیعوں کا اہل بیت کی طرف انتساب

ہم شیعوں کے یہاں یہ بات مشہور ہے کہ ہم شیعہ ہی اہل بیت ہیں، کیوں کہ ہمارے عقیدے کے مطابق ہمارا پورا مذہب ہی اہل بیت کی محبت پر قائم ہے، عوام (یعنی اہل سنت) سے ہماری دوستی و دشمنی بھی اہل بیت ہی کی وجہ سے ہے، صحابہ سے، بالخصوص خلفائے ثلاثہ اور حضرت عائشہؓ پر تبرا بھی اہل بیت کے متعلق ان حضرات کے موقف کی بنا پر ہی کیا جاتا ہے، چھوٹا ہو یا بڑا، عالم ہو یا جاہل، مرد ہو یا عورت۔ تمام شیعوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ صحابہ نے اہل بیت پر مظالم ڈھائے، ان کا خون بہایا، ان کی حرمتوں کو پامال کیا۔ اور اہل سنت نے اہل بیت کو اپنی دشمنی کا نشانہ بنایا۔ اسی لیے اہل سنت کو ''نواصب'' کہنے میں ہمیں کوئی باک نہیں، شہید کربلا (علیہ السلام) کا خون ہر وقت ہماری نگاہوں میں رہتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے، اور ہماری ہی معتبر کتابیں اس حقیقت کا انکشاف کرتی ہیں کہ اہل بیت کو کس طرح شیعوں کی طرف سے اذیتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، اور شیعوں نے اہل بیت کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا؟! انھیں کتابوں میں یہ بھی ملے گا کہ اہل بیت کا

خون بہانے والے حقیقت میں کون ہیں؟ اور وہ کون ہیں جو ان کی حرمتوں کی پامالی کا سبب بنے؟!

شیعوں پر امیر المومنینؑ کی پھٹکار

امیر المومنین (علیہ السلام) فرماتے ہیں:

''اے مرد نما نامردو! عقل کے نابالغو! حجلۂ عروسی کی دلہنو! نہ تمھیں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں، نہ تمہارے بارے میں کچھ سننا مجھے گوارا ہے! پشیمانی میرے ہاتھ آئی، ٹکراؤ میرا نصیب ٹھہرا۔ خدا تمہیں غارت کرے! تم نے میرا دل نفرتوں سے بھر دیا، میرے سینہ میں غصہ کی آگ لگا دی، تم نے مجھے تہمتوں کے گھونٹ پلائے، تم ہی نے میری نافرمانی کر کے اور آزمائش کے موقعوں پر مجھے بے یارو مددگار چھوڑ کر میری رائے بگاڑ دی حتی کہ قریش کہنے لگے: ابوطالب کا بیٹا بہادر تو ہے مگر جنگ کی حکمتوں سے نابلد ہے! مگر ہائے! جس کی بات مانی ہی نہ گئی اس کی رائے کیسے چلے؟!'' (۱)

انھیں پھٹکار سناتے ہوئے مزید فرمایا:

''مجھے تمہارے متعلق تین چیزوں کی امید تھی اور دو طرح کے تجربات ہوئے ہیں: امید یہ تھی کہ تم بہرے بنے رہوگے لیکن کان کھلے رکھوگے، زبان بند رکھوگے لیکن قوت گویائی سے معمور رہوگے، اندھے بنے رہوگے لیکن نگاہیں کھلی رکھوگے۔ اور تجربے یہ ہوئے کہ تم میدان جنگ میں کبھی سچے وفادار ثابت نہیں ہوئے، اور نہ مصیبت کے وقت قابل اعتماد دوست بن سکے! تم نے ابوطالب کے بیٹے کو اس طرح بے یارو مددگار چھوڑ دیا جس طرح کوئی عورت اپنی شرمگاہ کو کھلا چھوڑ دیتی ہے (کہ جس کا جی چاہے منہ مارے) (۲)

---

(۱) نهج البلاغة، ۷۰/۷۱. (۲) نهج البلاغة، ۱۴۲.

امیر المومنین (علیہ السلام) نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ غداری کی، اور عین موقع پر مدد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں ہیں جو آپ نے ان کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں۔

حضرت حسینؑ کی پھٹکار

امام حسین (علیہ السلام) شیعوں کو بددعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خدایا! اگر تو انھیں زندہ رکھ تو انھیں ٹکڑیوں میں بانٹ کے رکھ، ان کے درمیان پھوٹ ڈال دے، کبھی حکمرانوں کو ان سے مطمئن نہ رکھ۔ انھوں نے ہمیں بلایا تھا کہ ہماری مدد کریں گے، مگر دشمنی پر اتر آئے او ہمارے قتل کے درپے ہو گئے!'' (۱)

ایک دوسرے موقع پر انھیں کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا:

''لیکن ہم سے بیعت کرنے کے لیے تم اس طرح لپکے جیسے ٹڈیوں کے دل کے دل ٹوٹ پڑتے ہیں، پروانوں کی طرح تم نچھاور ہوئے، پھر تمھیں نے بیعت توڑ بھی دی۔ ہلاکت ہو، تباہی ہو، بربادی ہو امت کے ان فرعونوں پر! باطل ٹکڑیوں کے ان پسماندہ حصوں پر! کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے والوں پر! تم ہی ہو جنھوں نے ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا، ہمیں موت کے گھاٹ اتارا، سن لو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے''۔ (۲)

قاتلان حسینؑ کون؟

یہ عبارتیں شاہد ہیں کہ حقیقی قاتلان حسین کون ہیں؟ کوفہ کے شیعہ! ہاں ہمارے اجداد! پھر آخر کیوں قتل حسین کا الزام اہل سنت کے سر دھرا جاتا ہے؟!

(۱) الارشاد المفید: ۲۴۱. (۲) الاحتجاج: ۲/ ۲۴.

اسی وجہ سے سید محسن امین کہتے ہیں:

"بايع الحسين من اهل العراق عشرون الفاً، غدروا به وخرجوا عليه وبيعته فى اعناقهم، وقتلوه". (۱)

(بیس ہزار اہل عراق نے حسین کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر ان کے ساتھ غداری کی، ان سے بغاوت کی، جب کہ ان کی بیعت کا طوق ان کی گردنوں میں تھا، اور بالآخر انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا)

حضرت حسنؑ کی پھٹکار

حضرت حسن (علیہ السلام) فرماتے ہیں:

''خدا کی قسم! معاویہ کو میں بہتر سمجھتا ہوں ان جیسے ہزاروں سے جن کو دعویٰ ہے کہ وہ میرے شیعہ ہیں، انھوں نے مجھے قتل کرنا چاہا، میرا مال چھین لیا، خدا کی قسم! وہ لوگ مجھے مار ڈالیں اور میرے گھر والے خانماں برباد ہو جائیں، اس سے بہتر ہے کہ میں اپنی جان، اور اپنے گھر والوں کی حفاظت کے لیے معاویہ کی امان میں چلا جاؤں۔ رب ذوالجلال کی قسم! میں اگر معاویہ سے لڑوں تو یہی لوگ میری گردن پکڑ کر مجھے ان کے حوالے کر دیں گے! بخدا! وہ مجھے قیدی بنا کر قتل کریں، اس سے بہتر ہے کہ میں ان سے عزت کے ساتھ صلح کر لوں''۔ (۲)

امام زین العابدینؑ کی پھٹکار

امام زین العابدین (علیہ السلام) کوفہ والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''تمھیں یاد ہی ہوگا کہ تم نے میرے والد کو خط لکھ کر کوفہ بلایا تھا، مگر تم نے دھوکہ دیا، ان سے پیمان وفا باندھا مگر انھیں سے لڑ بیٹھے، ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا،

(۱) أعيان الشيعة: ۱/ ۳۴. (۲) الاحتجاج: ۲/ ۱۰.

اب کیا منہ لے کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے جاؤ گے؟ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمائیں گے: تم نے میرے گھر والوں سے لڑائی کی، میری حرمت پامال کی۔ دفع ہو جاؤ، تم لوگ میرے امتی نہیں"۔(۱)

مزید فرمایا:

"ہم پر یہ آنسو بہانے چلے ہیں، حالاں کہ ہمیں قتل کرنے والے ان کے سوا ہیں کون؟"۔(۲)

امام باقرؑ کی پھٹکار

امام باقر (علیہ السلام) کا ارشاد ہے:

"اگر سب لوگ ہمارے شیعہ ہو جائیں تو ان میں تین چوتھائی ہمارے لیے مشکوک ہیں، اور بقیہ ایک چوتھائی احمق"۔(۳)

امام صادقؑ کی پھٹکار

امام صادق (علیہ السلام) فرماتے ہیں:

"اگر تین مسلمان بھی تمہارے درمیان راز دار ہوتے تو میں ان سے کوئی بھی بات نہ چھپاتا"۔(۴)

امام موسیٰ کاظمؑ کی پھٹکار

"اگر میں شیعہ کو پرکھوں اور ان کو الگ کروں تو ان میں صرف چاپلوس نظر آئیں گے، اور اگر میں ان کا امتحان لوں تو اس امتحان میں ایک بھی کھرا نہ نکلے، اور اگر ان کو چھانٹوں تو ہزار میں ایک بھی میرا نہ ہو!"۔(۵)

(۱) الاحتجاج: ۳۲/۲۔ (۲) الاحتجاج: ۲۹/۲۔ (۳) رجال الكشي: ۷۹/۱۔
(۴) اصول الكافي: ۴۹۶/۱۔ (۵) الكافي /الروضة: ۳۳۸/۸۔

فاطمہ صغریٰؑ کی پھٹکار

اہل کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے فاطمہ صغریٰؑ فرماتی ہیں:

"اے کوفہ والو! اے غدارو! اے مکارو! اے گھمنڈی انسانو! تمہاری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم اہل بیت کو آزمایا، اور تمہیں ہمارے ذریعہ آزمایا، ہم تو آزمائش میں کھرے اترے، مگر تم تو ہمارے ناشکرے نکلے اور ہمیں جھٹلانے لگے، تم نے ہم سے قتال کو جائز ٹھہرایا، ہمارے مال پہ تم نے ہاتھ صاف کیے، اسی طرح کل ہمارے دادا جان کو تم نے قتل کیا تھا، تمہاری تلواروں سے ہمارا خون اب بھی ٹپک رہا ہے۔ ہلاکت ہو تمہارے لیے! خدا کی لعنت اور اس کے عذاب کا انتظار کرو جو تم پر آیا ہی چاہتا ہے، وہ تمہارا شیرازہ منتشر کر کے تمہیں باہم دست و گریباں کر دے گا، پھر قیامت کے دن وہ تمہیں دردناک عذاب سے دوچار کرے گا، ان مظالم کی پاداش میں جو تم نے ہم پر کیے ہیں، سن لو! خدا کی لعنت ہے ظلم کرنے والوں پر! اے کوفہ والو! تمہارا ستیہ ناس ہو۔ بارہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں تم کو سنائیں پھر بھی تم نے ان کے بھائی، میرے دادا علی ابن ابی طالبؓ کے ساتھ، ان کے بیٹوں اور ان کی نیک اولاد کے ساتھ غداری کی"۔

اس پر کوفہ کے ایک شخص نے فخر کرتے ہوئے جواب دیا:

نحن قتلنا علياً وبني علي   بسيوف هندية ورماح
وسبينا نسائهم سبي ترك   ونطحناهم فأى نطاح (۱)

(ہم نے قتل کیا ہے علی کو اور ان کے بیٹوں کو، بہترین ہندی تلواروں سے اور نیزوں سے
ہم نے ان کی عورتوں کو ترک قیدیوں کی طرح غلام بنایا
اور ہم نے ان کو اچھے سے پیس کے رکھ دیا)

(۱) الاحتجاج: ۲۸/۲۔

حضرت زینبؑ کی پھٹکار

امیر المومنین (علیہ السلام) کی صاحبزادی حضرت زینبؑ اہل کوفہ کو پھٹکارتے ہوئے کہتی ہیں:

''امابعد! اے کوفہ والو! اے دھوکہ بازو! مکارو اور دغابازو! تمہاری مثال بالکل اس بڑھیا کی سی ہے جس نے بڑی محنت کے بعد سوت کاتا، مگر دوسرے ہی لمحہ اپنی محنت ضائع کردی، غرور وتکبر، جھوٹ اور مکاری کے سوا تمہارے اندر ہے ہی کیا! میرے بھائی پر ماتم کرتے ہو! ہاں، ماتم کرو، خوب روؤ، ہنسنا تمہارے مقدر میں نہ ہو، تمہارے دامن پہ یہ داغ لگ چکا ہے، خاندان نبوت کا خون کب تک ارزاں سمجھتے رہو گے؟!''۔(۱)

خلاصۂ کلام

ہم نے بہت سی چیزوں سے صرف نظر کیا ہے، پھر بھی مذکورہ بالا عبارتوں سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) شیعوں اور کوفہ والوں کی غداری، مکاری اور دغابازی کی وجہ سے امیر المومنین اور ان کی اولاد اطہار کا شیعوں پر غم وغصہ اور پھٹکار۔

(۲) اہل کوفہ کی غداری اور عین موقع پر اہل بیت کا ساتھ چھوڑ دینے کی وجہ سے اہل بیت کے خون کی ارزاں اور ان کی حرمتوں کی پامالی۔

(۳) اہل بیت حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کے قتل کا ذمہ دار شیعوں کو ٹھہراتے ہیں، ایک شیعہ کا اعتراف بھی آپ نے دیکھ لیا کہ کس طرح حضرت فاطمہ صغریٰ کے منہ پر اس نے فخر سے کہا کہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد

(۱) الاحتجاج: ۲/۲۹، ۳۰۔

اطہار کو ہم شیعوں نے ہی قتل کیا، اور ان کی عورتوں کو قیدی بنایا۔

(۴) اہل بیت نے شیعوں کو بددعائیں دیں اور ان کے متعلق فرمایا کہ شیعہ اس امت کے شیطان ہیں، دشمنوں کے پسماندہ لشکر ہیں، کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے والے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت برسے۔

اسی وجہ سے ان کے فقہاء کی مشہور روایت کے مطابق یہ لوگ ابوعبداللہ (علیہ السلام) کے پاس آئے اور کہنے لگے:

''ہم پر ایک رسوا کن لقب چسپاں کردیا گیا ہے جس نے ہماری کمر توڑ دی، اور ہمارے دلوں پر موت طاری کردی، جس کے نتیجہ میں حاکموں نے ہمارے قتل کو جائز ٹھہرایا۔ ابوعبداللہ (علیہ السلام) نے پوچھا: کیا تمہیں ''رافضہ'' کہا جاتا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ فرمایا: واللہ! لوگوں نے تمہارا نام ''رافضہ'' نہیں رکھا، یہ نام تو اللہ نے رکھا ہے!''(۱)

ابوعبداللہ (علیہ السلام) نے وضاحت فرمائی کہ اہل سنت نے نہیں بلکہ اللہ نے ہی ان کا نام ''رافضہ'' رکھا ہے۔

اہل بیت پر شیعوں کے مظالم

ان عبارتوں کو میں نے باربار پڑھا، خوب غور سے پڑھا، ڈوب کر پڑھا اور ان کی مستقل فائلیں تیار کیں۔ ان کے علاوہ اور بھی سینکڑوں نصوص ہیں جن پر راتوں کو جاگ جاگ کر میں نے دماغ سوزی کی، اور پھر اسی نتیجہ پر پہنچا کہ پوری قوت کے ساتھ اس حقیقت کا بانگ دہل اعلان کروں کہ اہل بیت! شیعوں کی طرف سے جو کچھ اذیتیں تمہیں پہنچیں، ان سب پر اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ تھی۔

ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کو اپنی قوموں سے

(۱) الکافی: ۵/۳۴۔

کتنا کچھ سہنا پڑا، خود ہمارے پیغمبر (علیہ السلام) کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا گیا۔

لیکن دو باتوں نے میرے اندر خاص تاثر پیدا کیا، ایک یہ کہ موسیٰ کو بنی اسرائیل کی جانب سے کتنی سخت اذیتیں پہنچیں، اور انھوں نے کس قدر صبر سے کام لیا۔ قرآن کریم نے سب سے زیادہ موسیٰ کے واقعات بیان کیے ہیں، اور اس کی صراحت کی ہے کہ بنی اسرائیل موسیٰؑ کو کیسے کیسے ستاتے تھے، سازشوں کے جال بنتے تھے، دسیسہ کاریاں کرتے تھے، مگر موسیٰؑ صبر جمیل کا پیکر بنے رہتے۔

اسی طرح اہل بیت کا بھی حال ہے، اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے، شیعوں کے مرکز کوفہ میں اہل بیت کے ساتھ جو کچھ کھیل کھیلا گیا، ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے، ان کے ساتھ غداری کی گئی، مکروفریب کیا گیا، بالآخر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، ان کا مال چھین لیا گیا، اور ان تمام باتوں پر اہل بیت نے صبر کا مظاہرہ کیا۔

ان پر کس قدر ظلم کیا گیا! پھر کس منہ سے ہم اہل سنت کو ہدف ملامت بناتے ہیں اور انھیں مورد الزام ٹھہراتے ہیں؟۔

جب میں اپنے مذہب کی معتبر کتابوں کو پڑھتا ہوں تو میرے استعجاب و حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔

جب ایک شیعہ کو یہ بتلایا جائے کہ شیعوں کی کتابوں میں اہل بیت کی شان میں گستاخیاں کی گئی ہیں، اور جو ناموس رسالت پر زبان طعن دراز کی گئی ہے، تو بہت ممکن ہے کہ وہ ان باتوں کو برجستہ جھٹلا دے اور اسے ماننے کو تیار نہ ہو۔

ملاحظہ فرمائیے:

گدھے کا فسانہ

امیر المومنین (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ''غفیر'' نامی ایک گدھا تھا ایک روز وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوا

اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میرے والد اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کشتی نوح میں نوح علیہ السلام کے ساتھ تھے، نوح علیہ السلام اٹھے اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر فرمانے لگے کہ اس گدھے کی صلب سے وہ گدھا جنم لینے والا ہے جس پر سید النبیین وخاتم المرسلین سواری فرمائیں گے۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے وہی گدھا بننے کا شرف بخشا۔(۱)

اس روایت سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:

(۱) گدھا بولتا ہے۔

(۲) گدھا اپنے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرتا ہے، جب کہ اہل ایمان اپنے ماں باپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرتے ہیں!

(۳) گدھا کہتا ہے: میرے والد اپنے والد سے چار پشتوں سے روایت کرتے ہیں، جب کہ نوح علیہ السلام اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہزارہا ہزار سال کا فاصلہ ہے، اور پھر گدھا کہتا ہے کہ چوتھی پشت پر اس کے دادا نوح کے ساتھ کشتی پر سوار تھے۔

نجف کے حوزہ میں امام خوئی کے سامنے بعض طلبہ کے ساتھ ہم ''اصول الکافی'' پڑھ رہے تھے، اس واقعہ پر امام خوئی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا، معجزہ دیکھو! نوح علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ہزاروں سال پہلے ان کے وجود اور ان کی رسالت کی خبر دے رہے ہیں۔

ایک مدت تک امام خوئی کے کلمات میرے ذہن میں گردش کرتے رہے، اور میں دل ہی دل میں کہتا رہا کہ کیسے ممکن ہے کہ یہ معجزہ ہو؟ گدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، اور امیر المومنین

(۱) اصول الکافی: ۱/۲۳۷۔

کے لیے یہ کہاں تک زیبا ہے کہ اس طرح کی روایات بیان کریں؟! مگر جس طرح دوسرے سامعین خاموش رہے اسی طرح میں نے بھی اپنی زبان بند رکھی۔

ناموس رسالت پر حملے

"وَاِذْتَقُوْلُوْا لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَااللّٰهُ مُبْدِیْهِ" (الاحزاب:٣٨)

(یاد کرو اس وقت کو جب کہ تم اس سے جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا ہے، اور تم نے بھی اس کو نوازا ہے، کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ ہی رکھو اور اللہ سے ڈرو، اور اپنے دل میں اس وقت تم وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے)

کی تفسیر میں شیخ صدوق امام رضا (علیہ السلام) سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے زید بن حارثہؓ کے گھر گئے، ان کی بیوی زینب کو غسل کرتے دیکھا تو فرمایا: "سبحان الذی خلقک" (پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے وجود بخشا) (١)

کیا اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ شان ہے کہ وہ کسی نامحرم عورت پر نگاہ ڈالیں؟ وہ بھی شہوت کی نگاہ! اور پھر اپنے فریفتگی کو ان الفاظ میں بیان کریں سبحان الذی خلقک؟ کیا یہ ناموس رسالت پر کھلا ہوا حملہ نہیں ہے؟! امیر المومنین (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ ایک روز وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ابوبکر وعمر بھی تھے، کہتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عائشہ کے بیچ میں بیٹھ گیا، اس

(١) عیون اخبار الرضا:١١٣۔

پر عائشہ کہنے لگیں، کیا تمھیں بیٹھنے کے لیے میری اور رسول اللہ کی ران ہی ملی تھی، اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "مه یاعائشة" عائشہ چپ رہو۔ (١)

اسی طرح ایک دوسری مرتبہ امیر المومنین آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھیں کہیں جگہ نہ ملی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: کہ یہاں بیٹھ جاؤ، اور پیچھے کی طرف اشارہ فرمایا وہاں عائشہ ایک چادر لپیٹے کھڑی تھیں، علیؑ گئے اور رسول اللہ اور عائشہ کے بیچ میں بیٹھ گئے، اس پر عائشہ چراغ پا ہو اٹھیں، اور کہنے لگیں: اپنی سرین کے لیے تمھیں میری گود کے علاوہ اور کہیں جگہ نہیں ملی؟! یہ سن کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خفا ہو گئے اور عائشہ کو مخاطب کر کے فرمایا: حمیراء! میرے بھائی کے متعلق مجھے تکلیف نہ دیا کرو۔ (٢)

مجلسی کی روایت ہے کہ امیر المومنین نے فرمایا: "میں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ سفر میں تھا، میرے علاوہ آپ کی خدمت کرنے والا کوئی اور نہ تھا، آپ کے پاس صرف ایک چادر تھی، عائشہ بھی ساتھ تھیں، اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے اور عائشہ کے بیچ میں آرام فرماتے تھے، اور ہم تینوں پر صرف ایک چادر رہتی، جب آپ نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو اپنے دست مبارک سے میرے اور عائشہ کے درمیان چادر گرا دیتے یہاں تک کہ چادر کا وہ حصہ ہمارے بستر کے درمیان بیچ میں پڑا رہتا۔ (٣)

کیا اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ گوارہ تھا کہ علی آپ کی زوجہ محترمہ عائشہ کی گود میں بیٹھیں؟؟ جب اپنے چچازاد بھائی (جو نامحرم بھی تھے) کے ساتھ اپنی رفیقۂ حیات کو ایک ہی بستر پر لیٹنے کے لیے آپ چھوڑ رہے تھے، تو کیا اس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو غیرت نہ آئی؟ اور پھر امیر المومنین نے بھی اس کو کیسے گوارہ کر لیا؟؟!!

(١) البرهان فی تفسیر القرآن: ٢٢٥/٤۔ (٢) کتاب سلیم بن قیس: ١٧٩۔ (٣) بحار الانوار: ٤٠/٢

توہین رسالت کی انتہا

حوزہ کے بہت بڑے عالم سید علی غروی کا کہنا ہے:

"ان النبی صلی الله علیه وسلم لا بد ان یدخل فرجه النار لانه وطئ بعض المشرکات".

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عضو تناسل کو جہنم میں ضرور ڈالا جائے گا کیوں کہ انھوں نے بعض مشرک عورتوں کے ساتھ وطی کی تھی)

اس سے ان کی مراد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے ساتھ ازدواجی رشتہ تھا۔ اس بات سے کس کو انکار ہے کہ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں ایک سنگین گستاخی ہے، اس لیے کہ اگر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شرمگاہ جہنم کی مستحق ٹھہری تو پھر جنت میں داخلہ کا کون اہل ہوگا؟!

امیر المومنینؑ کی شان میں گستاخیاں

اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق انہی چھ روایات پر ہم اکتفا کرتے ہیں، اور اب ان روایتوں کو ذکر کرتے ہیں، جن کا تعلق امیر المومنین کی ذات سے ہے:

(۱) ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے مروی ہے کہ حضرت عمر کی خدمت میں ایک عورت لائی گئی، ایک انصاری سے اس کا معاشقہ تھا، اس کے ساتھ اس نے منہ کالا کیا، اس نے ایک انڈا ہاتھ میں لیا اور اس کی سفیدی اپنے کپڑوں پر اور اپنی رانوں کے بیچ میں ڈال دی، پھر حضرت علی کھڑے ہوئے اور اس کی دونوں رانوں کے بیچ کا معائنہ کیا اور پھر اس عورت کو ملزم قرار دیا۔ (۱)

(۱) بحار الانوار: ۳۰۳/۴ـ

اس پر ہم پوچھتے ہیں:

کیا امیر المومنین جیسا شخص کسی اجنبی عورت کی رانوں کے درمیان دیکھ سکتا ہے؟ کیا امام صادق جیسی ہستی اس طرح کی خرافات بیان کر سکتی ہے؟ کیا اہل بیت سے محبت کا دم بھرنے والا اس طرح کی واہیات اپنی زبان سے ادا کر سکتا ہے؟؟

(۲) ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ ایک بدکردار عورت امیر المومنین کے پاس آئی، اس وقت آپ منبر پر تھے، وہ کہنے لگی، یہ ہے احباب کے قاتل! آپ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: اری بدزبان! گستاخ! بے شرم! مردزاد! تجھے تو عورتوں کی طرح حیض بھی نہ آتا ہوگا، اوی تری تو شرمگاہ پر کھلم کھلا ایک چیز لٹک رہی ہے!!(۱)

کیا امیر المومنین (علیہ السلام) کے لیے اس طرح کی فحش بیانی زیبا ہے؟؟

کیا وہ کسی عورت سے اس طرح مخاطب ہو سکتے ہیں؟؟ "اوی تری تو شرمگاہ پر کھلم کھلا ایک چیز لٹک رہی ہے"۔

کیا امام صادق (علیہ السلام) اس طرح کی فحش باتیں نقل کر سکتے ہیں؟؟

اگر یہی باتیں اہل سنت کی کتابوں میں درج ہوتیں تو ہم آسمان سر پر اٹھا لیتے، اہل سنت کو پوری طرح ہدف ملامت وتنقید بناتے اور ان کو بری طرح رسوا کرتے!! مگر کیا کیا جائے، یہ سب خرافات ان کی نہیں ہماری ہیں، اور ہم شیعوں ہی کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں!

(۳) تبرسی نے "احتجاج" میں ذکر کیا ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے امیر المومنین سے کہا: "اے ابن ابی طالب! ماں کے پیٹ میں موجود بچے کی گھلی تک تم اوڑھ نہ سکے اور ایک تہمت زدہ انسان کی طرح کونے میں دبک کر بیٹھ گئے"۔

(۴) "احتجاج" ہی میں تبرسی کا بیان ہے کہ عمر اور ان کے رفقاء امیر المومنین کو

(۱) البحار: ۲۹۳/۴۱۔

ابو بکر کے پاس اس حال میں لے کر آئے کہ ان کی گردن میں پھندہ پڑا ہوا تھا، اور وہ اسے گھسیٹ رہے تھے۔ امیر المومنین نے ابو بکر سے کہا: بھائی! یہ لوگ مجھے کمزور سمجھ کر میرے قتل کے درپہ ہیں!

مجھے کوئی بتائے کہ امیر المومنین اس حد تک نکمے اور بزدل کب سے ہو گئے تھے؟

حضرت علی کا سراپا

اب سنیے! فاطمہ کی زبانی شیعوں نے امیر المومنین کا کیسا سراپا نقل کیا ہے، وہ کہتی ہیں:

''قریش کی عورتوں نے مجھ سے بتلایا کہ وہ توندوالے تھے، ان کے بازو لمبے تھے، بدن پر چربی چڑھی ہوئی تھی، کن پٹی پر سے گنجے تھے، آنکھیں بھاری تھیں، اونٹ کی طرح ان کے مونڈھے نرم تھے، لمبے دانت والے تھے، دام و درم سے خالی ہاتھ تھے''۔(۱)

ابو اسحاق کا بیان ہے:

میرے والد جمعہ کے روز مجھے مسجد لے گئے، مجھے اوپر اٹھایا، میں نے علی کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا، بوڑھے، گنجے، پھولی ہوئی پیشانی، سینہ نکلا ہوا، اور آنکھوں میں بھینگا پن تھا، (مقاتل الطالبین)

اب ذرا سوچیے! کیا امیر المومنین (علیہ السلام) کے یہ اوصاف ہو سکتے ہیں؟

حضرت فاطمہؑ کی شان میں گستاخیاں

اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اب ہم حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے متعلق روایات پر آتے ہیں:

(۱) تفسیر القمی: ۲/۳۳۶۔

(۱) ابو جعفر کلینی ''اصول الکافی'' میں رقمطراز ہیں کہ فاطمہ نے عمر کا گریبان پکڑ کر گھسیٹا۔ کتاب سلیم بن قیس میں ہے کہ وہ قضیہ فدک کے سلسلہ میں بحث کرنے کے لیے ابو بکر و عمر سے گفتگو کرنے آئیں، لوگوں کے بیچوں بیچ آکر چلا چلا کر بات کرنے لگیں، اور لوگ ان کی بات سننے جمع ہوئے۔(۱)

کیا فاطمہ اتنی بد خلق تھیں کہ اس حد تک اتر آئیں؟!

(۲) ''فروع'' میں کلینی ہی کا بیان ہے کہ فاطمہ حضرت علی سے اپنے رشتے پر بھی ناخوش تھیں، ان کے پاس ان کے ابا جان علیہ السلام تشریف لائے، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، انھوں نے کہا: روتی کیوں ہو؟ بخدا! خاندان میں علی سے بہتر کوئی ہوتا تو میں یہ رشتہ نہ کراتا۔ اور پھر تمہارا یہ رشتہ میں نے نہیں، اللہ میاں نے کیا ہے۔ دوبارہ ان کے والد محترم صلواۃ اللہ علیہ ان کے پاس آئے، قاصد بھی ساتھ تھا، ان کو دیکھ کر فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو امنڈ پڑے، بیٹی سے رونے کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگیں: قضا کی قلت، غم کی کثرت، اور بیماری کی شدت۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بخدا! غم بڑھ گیا، فاقہ طول اختیار کر گیا، بیماری جڑ پکڑ گئی۔(۲)

حضرت علی کا سراپا وہ بیان کر ہی چکے ہیں کہ آپ (علیہ السلام) کا رنگ سانولا تھا، پستہ قد تھے، توند نکلی ہوئی تھی، انگلیاں چھوٹی تھیں، بازوؤں پر چربی چڑھی ہوئی تھیں، پنڈلیاں پتلی تھیں، آنکھوں میں بھینگا پن تھا، داڑھی بڑھی ہوئی تھی، سر کے بال اڑے ہوئے تھے، پیشانی پھولی ہوئی تھی۔(۱)

جس طرح انھوں نے حضرت علی کا نقشہ کھینچا ہے، اگر وہ اسی طرح تھے تو پھر ان سے رشتہ سے فاطمہ کس طرح راضی ہو سکتی تھیں؟!

طوالت کے خوف سے ہم انھیں عبارتوں پر اکتفا کرتے ہیں، حالاں کہ جی تو

(۱) اصول الکافی: ۲۵۳۔ (۲) کشف الغمۃ: ۱/۱۴۹، ۱۵۰۔

چاہتا تھا کہ تمام ائمہ کے متعلق جو جو باتیں ان لوگوں نے بیان کی ہیں ایک ایک کر کے سب نقل کردوں، لیکن بعد میں ہر ایک سے متعلق پانچ پانچ روایات پر اکتفا کرنے کا خیال ہوا، اس میں بھی طوالت محسوس ہوئی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق پانچ، امیر المومنین (علیہ السلام) سے متعلق پانچ، اسی طرح حضرت فاطمہ سے متعلق پانچ روایتیں نقل کروں، اس لیے کہ اس میں کئی کئی صفحات لگ سکتے تھے۔

اسی لیے کوشش یہی کی گئی ہے کہ اختصار سے کام لیتے ہوئے زیادہ سے زیادہ اندرونی حقائق پیش کیا جائے۔

کلینی "اصول الکافی" میں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت جبرئیل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے محمد! اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ایسے بچے کی خوش خبری دے رہا ہے، جو فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوگا، اور اسے تمہاری امت تمہارے بعد قتل کرے گی۔ آپ نے فرمایا: جبرئیل پروردگار کو سلام پہنچانا، اور کہنا کہ مجھے ایسے بچے کی کوئی ضرورت نہیں، جو فاطمہ کے یہاں پیدا ہو اور پھر اسے میری امت میرے بعد قتل کردے۔ جبرئیل اوپر گئے، پھر واپس آئے، اور اسی طرح کی بات دہرائی، آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ جبرئیل! پروردگار کو سلام پہنچانا، اور کہنا کہ مجھے ایسے بچے کی قطعاً ضرورت نہیں جو فاطمہ کے یہاں پیدا ہو، اور پھر اسے میری امت میرے بعد قتل کردے۔ جبرئیل آسمان پر گئے، پھر اترے اور کہنے لگے: محمد! پروردگار نے سلام کہا ہے، اور تمہیں خوش خبری دی ہے کہ اس کی اولاد میں امامت، ولایت اور وصیت کا سلسلہ قائم رکھوں گا۔ آپ نے جواب دیا: میں اس پر راضی ہوں۔ پھر آپ نے فاطمہ کو کہلا بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسے بچے کی خوش خبری دی ہے جو تمہارے بطن سے پیدا ہوگا اور اسے میری امت میرے بعد قتل کردے گی۔ فاطمہ نے کہلا بھیجا کہ مجھے ایسے بچے کی کوئی ضرورت نہیں جو میرے یہاں پیدا ہوگا، جسے آپ کی امت آپ کے بعد قتل کردے گی۔ آپ نے جواب دیا

کہ اللہ عز و جل اس کی اولاد میں امامت، ولایت، اور وصیت کا سلسلہ جاری فرمائے گا۔ اس پر فاطمہ نے جواب دیا کہ اب میں خوش ہوں۔ بعد کو احساس ناگواری کے ساتھ فاطمہ حاملہ ہوئیں، اور اسی احساس کے ساتھ انھوں نے بچے کو جنا، حسینؓ نہ فاطمہ کا دودھ پیتے اور نہ کسی عورت ہی کا، ان کو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں لایا جاتا تو، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں رکھ دیتے، وہ اسے چوستے، اور یہ دو تین دن تک کے لیے کافی ہو جاتا۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ عز و جل کے کسی ایسے حکم کو ٹال لیں گے، جس کے ذریعہ سے اللہ نے آپ کو خوش خبری دی ہو؟

کیا سیدہ فاطمہ بتول علیہا السلام اللہ عز و جل کے کسی ایسے فیصلہ کو ٹال سکتی ہیں، جس میں ان کے لیے بشارت ہو؟ اور "مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں" کہنے کی جرأت کریں؟!

کیا حسین کا اس حال میں حمل ٹھہرا کہ فاطمہ کو ناپسند تھا؟

کیا حسین اس حال میں پیدا ہوئے کہ فاطمہ کو یہ ناگوار تھا؟

کیا وہ حسین کو دودھ پلانے سے باز رہیں کہ انھیں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں لایا جاتا تا کہ آپ ان کو اپنے انگوٹھے سے دودھ پلائیں، اور کیا یہ ان کے لیے دو تین دن تک کافی ہو جاتا؟!

آقائی و مولائی شہید کربلا (علیہ السلام) اس سے بہت بلند تھے کہ ان کے بارے میں اس طرح کی یاوہ گوئی کی جائے، وہ اس بات سے بھی پرے تھے کہ ان کی ماں احساس ناگواری کے ساتھ انھیں اپنے پیٹ میں رکھیں، اور ناگواری و ناپسندیدگی کے ساتھ انھیں جنیں، اس لیے کہ دنیا بھر میں نہ جانے کتنی عورتیں ہیں جو یہ تمنا کرتی ہیں کہ کاش! وہ ان جیسے بیسیوں حسین جنیں، حسین جیسی سینکڑوں اولاد کی وہ ماں کہلائیں، پھر آخر خواتین جنت کی سردار سیدہ فاطمہ زہرا ہی کو کیوں یہ گوارا نہ ہوا کہ

وہ حسین کی ماں بنیں؟! اور آخر کیوں وہ ان کو دودھ پلانے سے باز رہیں؟!

ایک موقع پر حوزۂ علمیہ کے کئی معزز ارکان اور طلبہ بیٹھے تھے، امام خوئی مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کررہے تھے، اور پھر انھوں نے اپنی گفتگو اس جملہ پر ختم کی کہ خدا کافروں کو غارت کرے! ہم لوگوں نے پوچھا: کافر کون ہیں؟ فرمایا: ناصبی (یعنی اہل سنت) یہ حسین علیہ السلام کو گالیاں دیتے ہیں، بلکہ اہل بیت کو گالیاں دیتے ہیں۔ اب میں امام خوئی سے کیا کہوں؟!

امیر المومنین نے اپنی لڑکی ام کلثوم کی شادی عمر بن الخطاب سے کرائی، ابو جعفر کلینی کا بیان ہے کہ اس شادی سے متعلق ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے فرمایا: یہ وہ شرمگاہ ہے جو ہم سے چھین لی گئی!!(۱)

جن لوگوں نے یہ بات نقل کی ہے میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں:

کیا عمر بن خطاب نے ام کلثوم سے شریعت کے موافق شادی کی تھی یا ان کی عصمت لوٹی تھی؟؟

امام صادق علیہ السلام کی طرف منسوب اس قول کے معنی بالکل صاف اور واضح ہیں، تو کیا یہ ممکن ہے کہ علی مرتضی (علیہ السلام) کی صاحبزادی سے متعلق ابو عبداللہ (علیہ السلام) اس طرح کی بیہودہ بات کہیں؟!

اور اگر حضرت عمر نے ام کلثوم کے ساتھ زبردستی کی تھی تو ان کے والد، قریش کے سپوت، اسد اللہ الجبار ذو الفقار (علیہ السلام) اس پر خاموش کیسے رہے؟؟!

ہم نے ابو بصیر کا یہ بیان بھی پڑھا کہ ایک عورت ابو بکر و عمر سے متعلق دریافت کرنے ابو عبداللہ کے پاس آئی تو ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے اس سے فرمایا: ان دونوں سے لگاؤ رکھو۔ اس نے کہا: کیا روز قیامت اللہ کے حضور میں یہ کہہ دوں گی کہ تم نے مجھے ان سے محبت کا حکم دیا تھا؟ فرمایا: بالکل کہہ دینا۔(۲)

(۱) فروع الکافی: ۱۴۱/۲۔ (۲) روضہ بحوالہ الکافی: ۱۰۱/۸۔

جو شخص عمر سے دوستی کا حکم دے رہا ہے کیا ہم اس پر یہ الزام رکھ سکتے ہیں کہ اسی نے یہ کہا ہو کہ عمر نے اہل بیت کی ایک خاتون کو زبردستی اپنے نکاح میں لیا؟!

جب میں نے امام خوئی سے دریافت کیا کہ ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے تو ایک عورت کو ابو بکر و عمر سے دوستی کا حکم دیا تو امام خوئی نے فرمایا: کہ یہ بات انھوں نے تقیہ کے طور پر کہی تھی۔

اب میں امام خوئی سے پھر پوچھتا ہوں کہ وہ عورت تو شیعان اہل بیت میں سے تھی! ابو بصیر بھی امام صادق کے ساتھیوں میں تھے! پھر تقیہ کی ضرورت آخر کیوں پڑی؟؟ اگر آنجناب کی بات صحیح ہے تو پھر یہاں پر تقیہ کا کوئی تک سمجھ میں نہیں آتا! سچی بات تو یہ ہے کہ ابو القاسم خوئی کا یہ دلیل دینا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

حضرت حسنؑ کی شان میں گستاخیاں

اب لیجیے، حسن (علیہ السلام) کے بارے میں سنیے!

"مفید فی الارشاد"، میں اہل کوفہ کے متعلق درج ہے کہ اہل کوفہ نے ان کا خیمہ تنگ کردیا، ان کو لوٹ لیا، ان کی جائے نماز بھی چھین کرلے گئے، اب وہ تلوار لٹکائے ہوئے بغیر چادر کے بیٹھے رہے۔(۱)

کیا حضرت حسن (علیہ السلام) ستر کھولے ہوئے، چادر کے بغیر لوگوں کے سامنے ایسے ہی ننگ دھڑنگ بیٹھے رہے؟ کیا یہی ہے اہل بیت سے محبت؟؟

حضرت حسن (علیہ السلام) گھر پر تھے، سفیان بن ابی لیلیٰ آپ کے پاس آئے، اور آپ سے یوں مخاطب ہوئے: سلام اے مومنوں کو رسوا کرنے والے! فرمایا: تمہیں اس کے بارے میں کیا معلوم؟ اس نے کہا: تم نے امت کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے اپنی گردن سے اتار پھینکا، اور اس سرکش و جبار کے ہاتھ میں تھما دیا

(۱) مفید فی الارشاد: ۱۹۰۔

جو خدا کی اتاری ہوئی شریعت کے خلاف فیصلے کرتا ہے؟(۱)

کیا حضرت حسن (علیہ السلام) نے مومنوں کو رسوا کیا؟ یا ان کے خون کی حفاظت کر کے، ان کی حرمتوں کو پامال ہونے سے بچا کر، اور اپنی حکمت و بصیرت اور دور بینی و دور اندیشی سے ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے ان کا سر اونچا کر دیا؟!

اگر حضرت حسن (علیہ السلام) خلافت کے سلسلہ میں معاویہ سے لڑ بیٹھتے تو بتایئے خون مسلم کے کتنے دریا بہتے؟ خدا معلوم کتنی تعداد موت کے گھاٹ اترتی! پھر ملت میں بھی کس قدر انتشار ہوتا، امت ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی اور اس وقت سے آج تک پھر اسے سنبھالا دینے والا کوئی نہ ہوتا!! ہائے افسوس! یہ قول بھی ابو عبداللہ (علیہ السلام) کی طرف منسوب کر دیا گیا! خدا کی قسم! وہ ان جیسی باتوں سے دور بہت دور تھے۔

امام صادقؑ کی شان میں گستاخیاں

رہے امام صادق، تو ان کو تو ان لوگوں نے سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائیں، ہر گھٹیا بات ان کی طرف منسوب کر دی۔

اس عبارت کو ملاحظہ فرمایئے:

زرارہ کہتا ہے: میں نے ابو عبداللہ سے تشہد کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا اس سے مراد "التحیات و الصلوٰۃ ..." ہی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، "التحیات و الصلوٰۃ ..." ہی تشہد ہے۔ پھر میں وہاں سے ان کے منہ پر ریح خارج کرتے اور یہ کہتے ہوئے نکل آیا کہ یہ شخص کبھی کامیاب و بامراد نہ ہو۔(۲)

کتاب "الکشی" کی تالیف پر صدیاں بیت چکی ہیں، علماء شیعہ نے اپنے فرقوں کے باہمی اختلاف کے باوجود اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا، مگر میں

(۱) رجال الکشی: ۱۰۳۔ (۲) رجال الکشی: ۱۴۲۔

دیکھتا ہوں کہ کسی نے نہ اس پر اشکال کیا، نہ کسی نے اس پر انگلی اٹھائی، نہ کسی کے دل میں یہ بات کھٹکی! واہ رے بوالعجبی! امام خوئی نے جب اپنی شہرۂ آفاق کتاب "معجم رجال الحدیث" کی تالیف شروع کی تو انھوں نے بھی اس پر نکیر نہیں کی! اس کتاب کی تیاری اور کتابوں سے روایات کو جمع کرنے میں ان کے معاونین میں میں بھی شامل تھا، جب یہ روایت ہم نے ان کے سامنے پڑھی تو تھوڑی دیر حضرت نے سر جھکائے رکھا، پھر ارشاد ہوا: ہر شہسوار کو ٹھوکر لگتی ہے، ہر عالم سے غلطی ہوتی ہے۔ بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں فرمایا۔ مگر جناب والا! غلطی تو غفلت یا چوک سے ہوتی ہے، جان بوجھ کر تو ہوتی نہیں! آپ میرے لیے والد کے درجہ میں اور میں آپ کے لیے بیٹے کی طرح ہوں اور یہی تعلق مجھے اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ میں آپ کی بات کو آپ کی حسن نیت اور دل کی سلامتی پر محمول کروں، ورنہ میں تو ابو عبداللہ امام صادق (علیہ السلام) کی اس توہین پر اور آپ کی اس بے حسی و خاموشی پر کبھی چپ رہنے والا نہیں تھا!!

ثقۃ الاسلام کلینی فرماتے ہیں:

مجھ سے ہشام بن الحکم اور حماد نے زرارہ کے حوالے سے بیان کیا کہ وہ (امام محمد باقر (علیہ السلام) کے متعلق) کہتا ہے: میں نے اپنے دل میں کہا کہ بے چارے بوڑھے ہیں بحث کرنا کیا جانیں!!

اس کی تشریح میں لکھا ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیچارے بوڑھے ہیں، عقل سے پیدل ہیں، اور اپنے فریق سے اچھی طرح بات کرنا نہیں جانتے۔ تو کیا امام صادق (علیہ السلام) نعوذ باللہ عقل سے پیدل تھے؟؟

ان باتوں پر میرا دل کڑھ رہا ہے، شدت غم سے پھٹا جا رہا ہے کہ اہل بیت کے ساتھ کس قدر ادب کے ساتھ، عظمت کے ساتھ پیش آنا چاہیے! مگر یہاں دیکھئے: نازیبا گالیاں ہیں، بے ہودہ گستاخیاں ہیں، طعن و تشنیع کے تیکھے وار ہیں!!

حضرت عباسؓ کی شان میں گستاخیاں

حضرت عباس، ان کے صاحبزادے عبداللہ وعبید اللہ، اور عقیل ابن ابی طالب، ان میں سے کوئی بھی ان کی زبان درازیوں سے نہیں بچ سکا۔

میرے ساتھ ذرا یہ عبارتیں پڑھیے:

"کشی" میں لکھا ہے کہ آیت:

"لبئس المولیٰ ولبئس العشیر" (الحج: ۱۳)

(ترجمہ:۔ کیا ہی برا ہے کارساز اور کیا ہی برا ہے رفیق!) ان کے یعنی عباس کے بارے میں نازل ہوئی۔(۱)

اس کے علاوہ یہ دونوں آیتیں انھیں کے سلسلہ میں نازل ہوئی: "ومن کان فی هذه اعمیٰ فهو فی الآخرة اعمیٰ واضلُّ سبیلاً" (الاسراء: ۷۲)

(ترجمہ:۔ اور جو کوئی اس (دنیا) میں اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا، اور راہ سے بالکل بھٹکا ہوا)۔(۲)

نیز: "ولا ینفعکم نصحی ان اردتُّ ان انصح لکم" (هود: ۳۴)

(ترجمہ:۔ اور میری خیر خواہی تمہیں نفع نہیں پہنچاسکتی گو میں تمہارے لیے کیسا ہی خیر چاہوں)

"کشی" میں یہ بھی لکھا ہے کہ امیر المومنین (علیہ السلام) نے عبداللہ ابن عباس اور ان کے بھائی عبید اللہ کے حق میں بددعا کی اور فرمایا: خدایا! فلاں کے دونوں بیٹوں (یعنی عبداللہ اور عبید اللہ) پر اپنی لعنت بھیج، اور جس طرح دونوں کی آنکھوں سے بینائی سلب کی اسی طرح دونوں کے دلوں کو بھی اندھا کردے، یہ میری گردن پر سوار ہیں، آنکھوں کے کورپن کو دونوں کے حق میں دل کے کورپن کا ذریعہ بنادے۔(۳)

(۱) صفحہ:۵۲،۵۳۔ (۲) صفحہ:۵۲،۵۳۔ (۳) صفحہ:۵۲

ثقۃ الاسلام کلینی "فروع" میں امام باقر (علیہ السلام) سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے امیر المومنین سے متعلق کہا: نئے نئے اسلام قبول کرنے والے دو کمزور و لاغر اور ذلیل وخوار بوڑھے عباس اور عقیل ہی آپ کے ساتھ بچے۔

تینوں آیتیں جن کے بارے میں "کشی" کا دعویٰ ہے کہ حضرت عباس کے بارے میں اتریں، ان کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان پر کفر اور قیامت کے دن خلود فی النار کا حکم لگایا جائے، ورنہ خدا کا واسطہ دے کر میں آپ سے پوچھتا ہوں، آپ بتائیے "فهو فی الآخرة وأضل سبیلا" کا پھر کیا مطلب ہوگا؟؟

جہاں تک عباس کے فرزندوں عبداللہ وعبید اللہ کے حق میں امیر المومنین کی طرف سے لعنت اور قلب ونظر کے کورپن کی بددعا کی بات ہے، تو یہ تو ان دونوں کی تکفیر ہوئی۔ وہ عبداللہ بن عباس جنھیں عوام یعنی اہل سنت ترجمان القرآن اور حبر الامۃ کے لقب سے یاد کرتے ہیں، کیا ہم ان پر لعنت بھیجیں گے؟ جب کہ ہمیں اہل بیت کی محبت کا دعویٰ ہے!! ہماری زبانوں پر اہل بیت کی محبت کے نغمے ہیں، اور پھر ہم ان بزرگوں کو ہدف لعنت وملامت بنائیں گے؟؟ اور عقیل تو امیر المومنین کے بھائی ہی تھے، پھر وہ کیسے ذلیل انسان اور نئے مسلمان بنے؟!

امام زین العابدینؒ کی شان میں گستاخیاں

امام زین العابدین علی بن حسین کے بارے میں کلینی کا بیان ہے کہ یزید بن معاویہ نے ان کے سامنے پیش کش رکھی کہ ان کے غلام بنیں، امام زین العابدین اس کی غلامی وچاکری پر رضامند ہوگئے اور کہنے لگے: "تمہاری پیش کش کو میں تسلیم کرتا ہوں، ایک بے بس غلام ہوں، چاہو تو رکھ لو، چاہو تو بیچ ڈالو"۔(۱)

اس جملہ کو ایک بار پھر پڑھیے اور غور کیجیے: "میں تسلیم کرتا ہوں کہ تمہارا غلام ہوں،

(۱) الروضۃ من الکافی: ۸/۲۳۵۔

میں ایک بے بس غلام ہوں، چاہو تو غلام بنا کر اپنے پاس رکھ لو، چاہو تو بیچ ڈالو"۔

کیا امام زین العابدین (علیہ السلام) یزید کے غلام ہو سکتے تھے کہ انھیں چاہے تو بیچ ڈالے، اور چاہے تو غلام بنا کر اپنے پاس رکھ لے؟؟

اہل بیت کے بارے میں جو گستاخ بیانیاں کی گئی ہیں، اگر سب کو جمع کر دیا جائے تو گفتگو بہت طویل ہو جائے گی، اس لیے کہ اہل بیت کا کوئی فرد بھی تو ان کی ہرزہ سرائیوں سے محفوظ نہ رہ سکا، کوئی نہ کوئی چبھتا جملہ، کوئی نہ کوئی طعن آمیز فقرہ، یا پھر کسی فحش اور گھناؤنے کام کی نسبت ان کی طرف ضرور ملے گی، کیوں کہ بہت سے گھٹیا اعمال بھی اہل بیت کی طرف منسوب کیے گئے ہیں، اور اس پر طرفہ یہ کہ یہ سب ہماری اہم ترین اور معتبر ترین کتابوں میں درج ہیں!! کچھ باتیں اگلی فصل میں آپ کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔

اب آیئے میرے ساتھ اس روایت کو پڑھیے:

ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے مروی ہے:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ينام حتى يقبل عرض وجه فاطمة". (۱)

(جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ فاطمہ کے رخسار کا بوسہ نہ لے لیتے)

"وكان يضع وجهه بين ثدييها" (۲)

(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا چہرہ ان کی پستانوں کے بیچ رکھتے تھے)

بلاشبہ فاطمہ علیہا السلام ایک ذی شعور خاتون تھیں، تو کیا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنا چہرۂ مبارک ان کی پستانوں کے بیچ رکھتے رہے ہوں!!

---

(۱) بحار الانوار: ۴۲/۴۳۔ (۲) بحار الانوار: ۷۸/۴۳۔

اف! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فاطمہ کی یہ گت بنی تو پھر دوسروں کی کیا درگت بنے گی؟

امام رضا (علیہ السلام) کی شان میں گستاخیاں

ذرا یہ عبارت پڑھیے:

علی بن جعفر باقر سے روایت ہے کہ امام رضا (علیہ السلام) سے کہا گیا کہ ہم میں کبھی کسی امام کا رنگ بھدا یعنی سیاہ نہیں رہا۔ اس پر رضا (علیہ السلام) نے فرمایا: وہ میرا ہی بیٹا ہے۔ کہنے لگے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قیافہ شناسوں کے ذریعے فیصلہ فرمایا ہے، لہٰذا آج ہمارے اور آپ کے درمیان فیصلہ قیافہ شناس ہی کریں گے۔ آپ نے فرمایا: جاؤ، تم خود بلا لاؤ، میں تو نہیں بلانے کا، اور ہاں اس سے یہ مت بتانا کہ کس لیے بلایا ہے، اور تم لوگ اپنے اپنے گھروں میں ہی رہو۔ جب قیافہ شناس آ گئے تو ہم لوگ باغ میں بٹھا دیے گئے، ان کے چچا اور بھائی بہن سبھوں نے صفیں باندھ لیں، پھر رضا (علیہ السلام) کو بلایا گیا، انھیں اون کا ایک کرتا اور ٹوپی پہنائی گئی اور کندھے پر ایک کدال رکھ کر کہا گیا کہ باغ میں اس طرح داخل ہونا کہ لگے کہ تم اس میں کام کرتے ہو۔ پھر ابو جعفر (علیہ السلام) کو لایا گیا اور قیافہ شناسوں سے کہا گیا کہ اس لڑکے کو اپنے باپ سے ملاؤ۔ قیافہ شناسوں نے دیکھ کر کہا کہ یہاں ان میں اس کا باپ کوئی نہیں ہے، یہ اس کے والد کے چچا ہیں، یہ اس کے چچا ہیں، یہ اس کی پھوپھی ہیں، اگر کوئی باپ ہو سکتا ہے تو یہ جو باغ میں کام کر رہا ہے یہ اس لڑکے کا باپ ہے، اس لیے کہ دونوں کے پیر ملتے جلتے ہیں۔ جب امام رضا ادھر کو آئے تو ان قیافہ شناسوں نے کہا: یہ ہیں اس کے باپ۔ (۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام رضا کی ہزار صفائی کے باوجود امام محمد القانع کے

---

(۱) اصول الکافی: ۱/۳۲۲۔

ان کی اولاد ہونے میں شک کیا گیا، امام رضا پوری قوت سے کہہ رہے ہیں کہ یہ میرا بیٹا ہے، مگر لوگ انکار کر رہے ہیں اور کہے جا رہے ہیں: ''ہم میں کوئی امام سیاہ رنگ کا نہیں ہوتا'' حقیقت میں یہ امام رضا (علیہ السلام) کی ناموس پر حملہ ہے، ان کی زوجہ محترمہ پر بہتان اور ان کی عفت و پاکدامنی پر تہمت ہے، اسی لیے ان بدتمیزوں نے فیصلہ کے لیے قیافہ شناسوں کا سہارا لیا، مگر قیافہ شناسوں نے فیصلہ کر دیا کہ محمد قانع امام رضا (علیہ السلام) کی صلبی اولاد ہی ہیں، تب جا کر لوگوں کی سمجھ میں آیا اور خاموش ہوئے۔

ممکن ہے کہ دوسروں پر اس طرح کی تہمتیں لگائی جائیں، اور کچھ لوگ واہ واہی بھی دے دیں اور تصدیق بھی کر لیں، مگر اہل بیت کے ساتھ یہ سلوک تو انتہائی گھناؤنا ہے، مگر تف ہے ہماری کتابوں پر! ہماری معتبر کتابیں جن کے بارے میں ہمارا دعوئ ہے کہ اہل بیت کے علم کی امین و وارث ہیں، اس طرح کی واہیات اور اس طرح کے ڈھکوسلوں سے بھری پڑی ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

حوزہ میں طالب علمی کے زمانے میں جب ہم نے یہ واقعہ پڑھا تو ہمارے علماء کرام بڑی خاموشی اور ہوشیاری کے ساتھ اس سے گزر گئے۔ امام خوئی کا یہ ''ارشاد'' بھی بھلائے نہ بھلے گا جب ہم نے یہ عبارت ان کے سامنے پڑھی، سید آل کاشف الغطاء کے حوالے سے فرمایا: ایسا انھوں نے اس لیے کیا کہ وہ ان کے نسب کو بالکل بے غبار اور پاکیزہ رکھنا چاہتے تھے۔

امام رضا (علیہ السلام) پر شیعوں نے یہ تک الزام لگایا کہ آپ خلیفہ مامون کی چچازاد بہن کے عشق میں گرفتار تھے اور وہ آپ پر فریفتہ تھیں۔ (۱)

امام جعفر کو ''جعفر الکذاب'' کا لقب دیا، گالیوں اور طعنوں سے نوازا جب کہ آپ حسن عسکری کے بھائی تھے۔

(۱) دیکھئے: عیون اخبار الرضا: صفحہ: ۱۵۳۔

کلینی کہتے ہیں:

وہ کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا تھے، بے حیا تھے، شراب کے حد درجہ رسیا تھے، اپنی عزت خود نیلام کرنے والے تھے، اپنی نگاہ میں خود ذلیل تھے۔ (۱)

کیا اہل بیت علیہم السلام میں کوئی شراب کا رسیا ہو سکتا ہے؟ فاسق ہو سکتا ہے؟ فاجر ہو سکتا ہے؟؟

اگر آپ مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہتے ہوں تو ہماری معتبر مراجع کی کتابیں پڑھیں تاکہ ہماری آنکھیں کھلیں اور اہل بیت علیہم السلام کے دیگر ارکان کے بارے میں کیا کچھ کہا گیا ہے، یہ معلوم ہو، نیز یہ بھی ہمارے علم میں آئے کہ کس قدر ان کی پاکیزہ ذریت تہہ تیغ کی گئی، اور کس سرزمین پر تہہ تیغ کی گئی، اور ان کے خون کی چھینٹ کس کس کے دامن پر پڑی؟؟

ان میں ایک بڑی تعداد فارس کے علاقہ میں وہیں کے باشندوں کے ہاتھ ماری گئی، اگر بات کے طویل ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو آج میں اس سے زیادہ بہت کچھ بیان کر دیتا، نام گناتا جن جن کے نام مجھے یاد ہیں، ایک ایک کر کے ان کے قاتلوں کی نشاندہی کرتا، مگر قارئین کو اصفہانی کی کتاب ''مقاتل الطالبین'' کے حوالے کرتا ہوں، اس میں بہت حد تک یہ سب ملے گا۔

یاد رہے کہ سب سے زیادہ مورد ملامت اور ہدف طنز و تشنیع امام محمد الباقر، ان کے صاحبزادہ امام جعفر الصادق علیہما السلام، اور ان کے آباء کو بنایا گیا۔ تقیہ کرنا، متعہ کرنا، عورتوں کے ساتھ لواطت کرنا، شرمگاہ کو مستعار دینا وغیرہ وغیرہ جیسے اکثر مسائل انھیں دونوں بزرگوں کی طرف منسوب کیے گئے، جب کہ دونوں (اللہ کی سلامتی ہو دونوں پر) ان سب باتوں سے ہزار درجہ بری تھے۔

☆☆☆☆☆

(۱) اصول الکافی: ۱/۵۰۴۔

متعہ کی حقیقت

پہلے میرا ارادہ تھا کہ اس باب کا عنوان رکھوں ”عورت۔ شیعوں کے نزدیک“ لیکن اس سلسلہ کی روایات کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ اس ضمن کی ساری روایتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، امیر المومنین (علیہ السلام)، ابوعبداللہ (علیہ السلام) اور دیگر ائمہ کرام کی جانب منسوب ہیں، چنانچہ میں نے اپنا ارادہ بدل دیا کیوں کہ میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ ائمہ کرام کی شان میں کوئی گستاخی کروں، اس لیے کہ ان روایتوں میں ایسی غیر مہذب، ناشائستہ اور فحش باتیں ہیں جن کو ایک عام آدمی بھی برداشت نہیں کرسکتا چہ جائے کہ ان کی نسبت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کرام کی جانب کی جائے!

شیعیت میں متعہ کے عنوان سے عورت کی عزت و ناموس کا کھلواڑ اور اس کا بری طرح استحصال کیا گیا ہے۔ متعہ اور دین کے نام پر شیعہ اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں، اور اس کی دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت:

”فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضة“ (النساء: ۲۴)

(ترجمہ: پھر ان عورتوں میں سے جن سے تم نے فائدہ اٹھایا تو ان کو ان کا

مقرر حق دے دو) متعہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

شیعوں نے متعہ کی ترغیب وتشریق میں بہت ساری روایتیں گڑھ لی ہیں، اور نہ صرف یہ کہ اس کے کرنے والے کے لیے ثواب اور نہ کرنے والے کے لیے عذاب کا ذکر کیا ہے، بلکہ ہر اس شخص کو جو متعہ نہیں کرتا اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

جواز متعہ کے دلائل اور اس کے فضائل

آئیے! اس سلسلہ کی دلیلوں کا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ”جس نے کسی مومن عورت کے ساتھ متعہ کیا اس نے گویا ستر مرتبہ خانۂ کعبہ کی زیارت کی“۔

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص متعہ کرے اور وہ اس شخص کے برابر ہوجائے جس نے خانۂ کعبہ کی ستر مرتبہ زیارت کی؟ اور وہ بھی کس کے ساتھ؟ ایک پاک دامن مومن خاتون کے ساتھ؟!

(۲) شیخ صدوق نے امام صادق سے نقل کیا ہے: ”متعہ میرا دین ہے، میرے پرکھوں کا دین ہے، جس نے اس پر عمل کیا اس نے ہمارے دین پر عمل کیا، اور جس نے اس کا انکار کیا اس نے ہمارے دین کا انکار کیا، اور وہ کسی اور دین پر ایمان لایا“۔(۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے متعہ کا انکار کیا اس نے گویا کفر اختیار کیا؟!

(۳) ابوعبداللہ (علیہ السلام) سے پوچھا گیا: ”کیا متعہ کرنے میں ثواب ہے؟ فرمایا: اگر اس سے اللہ کی رضا مقصود ہے تو اس دوشیزہ سے کی ہوئی ہر بات کے بدلے اللہ تعالیٰ ایک نیکی عطا فرمائے گا، اور جیسے ہی وہ اس کے قریب ہوگا اس کا

(۱) من لایحضرہ الفقیہ: ۳/۳۶۶۔

ایک گناہ معاف فرمائے گا، اور جب وہ غسل کر چکے گا تو اس کے جسم کے جتنے بالوں پر سے پانی گزرے گا اللہ تعالیٰ اتنی ہی اس کی مغفرت فرما دیں گے"۔ (۱)

(۴) نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "جس نے ایک مرتبہ متعہ کیا وہ "جبار" (اللہ تعالیٰ) کے غصہ سے مامون ہوگیا، اور جس نے دو مرتبہ متعہ کیا اس کا حشر "ابرار" (نیک لوگوں) کے ساتھ ہوگا، اور جس نے تین مرتبہ متعہ کیا وہ جنت میں میرے مقابلہ میں ہوگا"۔ (۲)

متعہ کی اتنی فضیلتیں ہیں اور اتنا ثواب ہے کہ اس ثواب کی لالچ میں نجف کے علمائے حوزہ، سارے حسینی اور مشاہیر ائمہ بکثرت متعہ کرتے ہیں، اور خاص کر سید صدر، بروجردی، شیرازی، قزوینی، طباطبائی، اور سید مدنی اور ان میں بھی خاص کر ابھرتا ہوا نوجوان ابو الحارث یاسری وغیرہ کثرت سے اور بلا ناغہ متعہ کرتے ہیں، محض اس ثواب کے حاصل کرنے کی شوق میں اور جنت میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مقابلہ کے شوق میں۔

سید فتح اللہ کاشانی نے "منہج الصادقین" کی تفسیر میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے ایک مرتبہ متعہ کیا اس کا مرتبہ حضرت حسین (علیہ السلام) کے برابر ہے، جس نے دو مرتبہ متعہ کیا اس کا مرتبہ حضرت حسن (علیہ السلام) کے برابر ہے، جس نے تین مرتبہ متعہ کیا اس کا مرتبہ حضرت علی (علیہ السلام) کے برابر ہے، اور جس نے چار مرتبہ متعہ کیا تو اس کا مرتبہ میرے برابر ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ایسا شخص جو کہ ملچھ ہے ایک مرتبہ متعہ کرے اور اس کا مرتبہ حضرت حسین (علیہ السلام) کے برابر ہو جائے؟ اور دو مرتبہ یا تین مرتبہ یا چار مرتبہ کرے اور وہ حضرت حسن (علیہ السلام)، حضرت علی (علیہ السلام) اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برابری کا حق دار ہو جائے؟ کیا نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ائمہ

(۱) من لایحضرہ الفقیہ: ۳۶۶/۳۔ (۲) ایضاً۔

کرام کا مرتبہ اس حد تک بے حیثیت ہے؟

متعہ کرنے والا شخص ایمان کے اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز ہو تب بھی کیا وہ حضرت حسین (علیہ السلام) یا ان کے بھائی، باپ یا ان کے نانا جان کے قدموں کے گرد بھی پا سکتا ہے؟!

حضرت حسین (علیہ السلام) کا مقام و مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ مضبوط سے مضبوط ایمان والا بھی اس تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت حسن، حضرت علی اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقام سب سے اونچا اور بلند ہے، اس تک کسی کو رسائی نہیں۔

شیعوں نے عام عورتوں کے علاوہ ہاشمی شریف زادیوں تک کے ساتھ متعہ کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ طوسی نے اس کی صراحت کی ہے۔ (۱)

جب کہ میرا عقیدہ ہے کہ ہاشمی دوشیزاؤں کی یہ شان نہیں کہ ان کے ساتھ کوئی متعہ کرے! وہ اہل بیت سے ہیں اور خاندان نبوت کی چشم و چراغ ہیں، کہاں ان کی شان عالی اور کہاں یہ متعہ!

کلینی کا کہنا ہے کہ متعہ بالکل درست ہے اور اس کی کمتر شکل یہ ہے کہ مرد عورت کے ساتھ صرف لیٹ ہی جائے۔ اس کی وضاحت "فروع" میں موجود ہے۔ (۲)

متعہ کے لیے عورت کی عمر کتنی ہو؟

متعہ کے سلسلہ میں عورت کے عمر کی کوئی شرط نہیں ہے بلکہ شیعوں کا کہنا ہے کہ دس سال کی لڑکی کے ساتھ بھی متعہ کیا جا سکتا ہے۔

ابو عبد اللہ (علیہ السلام) سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی شخص معصوم بچی کے ساتھ متعہ

(۱) التہذیب: ۱۹۳/۲۔ (۲) فروع الکافی: ۴۶۰/۵۔

کرسکتا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ کرسکتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ بچی ناسمجھ نہ ہو۔ پوچھا گیا کہ ناسمجھ نہ ہونے کی کیا حد ہے؟ فرمایا: دس سال۔(۱)

ان سارے دلائل کا انشاء اللہ ہم آگے چل کر جائزہ لیں گے، لیکن یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت ابوعبداللہ کی جانب اس بات کی نسبت کی گئی ہے کہ متعہ کے لیے لڑکی کا کم سے کم دس سال کا ہونا ضروری ہے تاہم میں ایسے لوگوں سے بھی واقف ہوں جو دس سال سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ بھی متعہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

امام خمینی کا واقعہ

بات ان دنوں کی ہے جب امام خمینی کا قیام عراق میں تھا، ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور ان سے علمی استفادہ کرتے تھے، اس طرح ہمارے تعلقات گہرے اور مضبوط ہوتے گئے، ایک مرتبہ ایک صاحب نے امام صاحب کی دعوت کی، ان کا مکان غرب موصل میں موٹر سے محض ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر تھا، امام صاحب نے مجھ کو بھی ساتھ چلنے کو کہا اور میں ان کے ساتھ ہولیا، میزبان نے ہمارا بہت ہی پر جوش خیر مقدم کیا۔ ہم وہاں ایک شیعہ کے گھر ٹھہرے تھے، انھوں نے شیعیت کی ترویج واشاعت میں خاصی محنت کی تھی۔ اور جب تک ہم وہاں رہے انھوں نے ہماری خوب آؤ بھگت کی، ان کے پاس ہماری تصویریں ان خوش گوار لمحوں کی امین ہیں۔ وہاں سے فارغ ہوکر ہم بغداد کے لیے نکلے، چوں کہ امام صاحب سفر کی وجہ سے تھک چکے تھے اس لیے راستہ میں انھوں نے کچھ دیر آرام کرنے کی خواہش ظاہر کی، تو ہم کو "عطیفیه" چلنے کی ہدایت دی گئی، جہاں "سید صاحب" نامی ایک ایرانی شخص کا مکان تھا، اس کے امام صاحب سے گہرے مراسم تھے۔ ظہر کے وقت ہم وہاں پہنچے، ہمارے وہاں پہنچنے سے وہ بہت خوش ہوا، اس

(۱) دیکھئے کلینی کی الفروع: ۵۶۳/۵۔ اور طوسی کی التہذیب: ۲۵۵/۷

نے پرتکلف کھانے کا نظم کیا، اپنے بعض تعلق والوں کو بھی خبر کردی، بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوگئے، جب رات ہوئی تو سید صاحب نے امام صاحب سے رات اپنے ہی گھر گزارنے کی درخواست کی جسے امام صاحب نے بخوشی قبول کرلیا، رات کھانے سے فارغ ہونے کے بعد لوگ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے ہاتھ چومتے، اپنے سوالات پوچھتے اور امام صاحب ان کو جوابات دیتے، اس طرح خاصی رات گزر گئی، حاضرین نے اجازت چاہی اور وہ رخصت ہوگئے۔

امام صاحب کی نظر ایک چھوٹی بچی پر پڑی جس کی عمر بمشکل سات یا آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ بلا کی خوبصورت اور جوانی کی دہلیز پر تھی، انھوں نے اس بچی کے ساتھ متعہ کی خواہش ظاہر کی، سید صاحب اس سے بہت خوش ہوئے، اور پھر امام صاحب نے بچی کو اپنی باہوں میں لیا اور رات کی آغوش میں پہنچ گئے! ہم پوری رات اس بچی کی سسکیاں اور اس کی کراہ سنتے رہے۔

رات گزر گئی، صبح کو ہم ناشتہ کے لیے بیٹھے، اس وقت میرے چہرے پر ناگواری کے آثار صاف ظاہر تھے، مجھے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کوئی شخص اس چھوٹی سی بچی کے ساتھ متعہ کیسے کرسکتا ہے جب کہ گھر میں دوسری جوان اور خوبصورت لڑکیاں موجود ہوں، اور ان کے ساتھ متعہ کرنے میں کوئی چیز مانع بھی نہیں ہے۔

امام صاحب نے مجھ سے کہا: سید حسین! بچی کے ساتھ متعہ کرنے کے سلسلہ میں تمہارا کیا کہنا ہے؟

میں نے کہا: جناب جو فرمائیں وہی بہتر اور جناب کا فعل ہی سب سے درست ہے! آپ امام مجتہد ہیں، اور مجھ جیسوں کی کیا مجال جو جناب کے قول یا رائے سے ہٹ کر کوئی بات کہے؟! (کیوں کہ میں جانتا تھا کہ اس وقت میں کسی قسم کا اعتراض نہیں کرسکتا)۔

امام صاحب نے کہا: ران سے ران رگڑنے، بوس وکنار کرنے، اور تھوڑی

سی مستی کر لینے میں کوئی حرج نہیں، اور رہی بات جماع کی تو ابھی وہ اس کا تحمل نہیں کرسکتی۔

امام خمینی شیر خوار بچی کے ساتھ بھی متعہ کو جائز کہتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ شیر خوار بچی کے ساتھ متعہ درست ہے یعنی اس کو گلے سے چمٹانا، چومنا چاٹنا، اور ران پر ران کو مسلنا (یعنی اس کی رانوں پر عضو تناسل کو رگڑنا) وغیرہ۔ (۱)

دونو جوانوں کا قصہ

ایک مرتبہ میں امام خوئی کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ دو نوجوان داخل ہوئے، ان کو دیکھتے ہی اندازہ ہوگیا کہ کسی مسئلہ میں ان کے مابین اختلاف ہوا ہے اور اسی کے حل کے لیے یہ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

ان میں سے ایک نے سوال کیا: حضرت! متعہ کے سلسلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں، یہ حلال ہے یا حرام؟

امام خوئی نے اس کی طرف دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے پوچھا کہ تم کہاں رہتے ہو؟

نوجوان نے جواب دیا: میں موصل کا رہنے والا ہوں اور تقریباً دو مہینے سے نجف میں مقیم ہوں۔

امام نے کہا: تب تو تم سنی ہوگے؟

نوجوان نے جواب دیا: جی ہاں۔

امام نے فرمایا: متعہ ہمارے یہاں حلال ہے اور تمہارے یہاں حرام ہے۔

نوجوان نے کہا: اس شہر میں آئے مجھے دو مہینے ہو چکے ہیں، یہاں میرا جاننے والا کوئی نہیں، تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ جب تک میں یہاں رہوں اس وقت تک کے

(۱) ملاحظہ ہو امام خمینی کی کتاب تحریر الوسیلة : ۲۴۱/۲ مسئلہ نمبر ۱۲۔

لیے آپ اپنی بیٹی سے میرا نکاح متعہ کرادیں تاکہ میں آسودگی حاصل کرسکوں؟

امام کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا: میں سید ہوں اور سادات کے لیے یہ چیز حرام ہے، ہاں عام شیعوں کے لیے حلال ہے۔

نوجوان نے مسکراتے ہوئے سید خوئی کی جانب دیکھا۔ اس کی نگاہیں بتا رہی تھیں کہ وہ سمجھ چکا ہے کہ امام نے "تقیہ" سے کام لیا ہے۔

دونوں نوجوان اٹھے اور واپس لوٹ گئے۔ میں بھی امام صاحب سے اجازت لے کر رخصت ہوا، راستہ میں میری ان دونوں سے ملاقات ہوئی، باتوں سے معلوم ہوا کہ سوال کرنے والا نوجوان سنی ہے اور اس کا ساتھی شیعہ ہے، اور ان دونوں میں متعہ کے جائز اور ناجائز ہونے کو لے کر اختلاف ہوا تھا، اسی کے حل کے لیے وہ امام خوئی کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ میں نے جب ان دونوں سے گفتگو کی تو شیعہ نوجوان غصہ میں بھر پڑا اور کہنے لگا کہ تم سب مجرم ہو! تم ہماری بیٹیوں کے ساتھ تو متعہ کو حلال ٹھہراتے ہو اور کہتے ہو کہ اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوگا، اور خود اپنی بیٹیوں کے ساتھ ہمارے لیے متعہ کرنے کو حرام بتاتے ہو؟! اور پھر چیخنے اور گالیاں دینے لگا، اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ وہ سنی مذہب اختیار کر کے رہے گا! میں نے اس کو سنبھالا دیا اور قسم کھا کر کہا کہ بلاشبہ متعہ حرام ہے، اور پھر دلائل کے ذریعہ اس کو مطمئن کر دیا۔

متعہ کی حرمت

سچائی یہ ہے کہ دور جاہلیت میں متعہ مباح تھا، اسلام کے آنے کے بعد ایک مدت تک اس کی حلت باقی رہی، پھر غزوۂ خیبر کے موقع پر اس کو حرام قرار دے دیا گیا، مگر شیعہ اور ان کے جمہور فقہاء کے نزدیک یہ مشہور ہے کہ متعہ کو حرام قرار دینے والے حضرت عمر ابن الخطابؓ ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ خیبر کے موقع پر ہی متعہ

حرام ہو گیا تھا۔

امیر المومنین (علیہ السلام) کا ارشاد ہے: ''اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خیبر کے موقع پر پالتو گدھے کے گوشت، اور متعہ کو حرام قرار دیا''۔ (۱)

حضرت ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے دریافت کیا گیا: ''کیا عہد رسالت میں مسلمان بغیر گواہ کے نکاح کیا کرتے تھے؟

انھوں نے جواب دیا: ہرگز نہیں۔ (۲)

اس پر طوسی نے یہ حاشیہ چڑھایا کہ ان کی مراد اس سے مستقل نکاح کی نہیں تھی بلکہ اس سے انھوں نے متعہ مراد لیا تھا، اسی لیے اس روایت کو متعہ کے باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

ان دونوں روایتوں سے متعہ کا منسوخ اور حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امیر المومنین (علیہ السلام) اس کی حرمت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر المومنین خیبر کے موقع سے متعہ کی حرمت کے قائل ہیں، اور بلاشبہہ دیگر ائمہ کو متعہ کا علم اس کی حرمت کے علم کے بعد ہی ہوا ہے۔

متعہ کی حرمت کے دلائل

ہم یہاں پر ان احادیث اور دلائل کو ذکر کرتے ہیں جن سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے، ساتھ ہی ائمہ کرام کی جانب منسوب ان اقوال کو بھی ذکر کریں گے جن میں متعہ کی ترغیب دی گئی ہے، جس کی وجہ سے ایک مسلمان اس کشمکش میں پڑ جاتا ہے کہ آیا وہ متعہ کرے یا نہ کرے؟

اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ وہ قطعاً متعہ نہ کرے اس لیے کہ یہ حرام ہے، جس کی

(۱) التهذيب: ۱۸۶/۲. الاستبصار: ۱۴۲/۳. وسائل الشيعة: ۴۴۱/۱۴۔ (۲) التهذيب: ۱۸۹/۲۔

صراحت امیر المومنین کی طرف سے بھی ثابت ہو چکی ہے اور جہاں تک ان روایتوں کا تعلق ہے جن میں متعہ کی حالت بیان کی گئی ہے اور ان کی نسبت ائمہ کرام کی جانب کی گئی ہے، تو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ساری روایتیں جھوٹی ہیں اور گڑھ کر ائمہ کرام کی جانب منسوب کر دی گئی ہیں، کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ ائمہ کرام کسی ایسی چیز کی مخالفت کریں جس کی حرمت کا حکم نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اور پھر ان کے بعد امیر المومنین نے دیا ہو۔ اور ائمہ کرام وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے یہ علم اپنے بزرگوں سے حاصل کیا ہے۔

پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے دریافت کیا گیا ہے کہ کیا عہد رسالت میں مسلمان بغیر گواہ کے نکاح کیا کرتے تھے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔

اگر ان کو متعہ کے حرام ہونے کا علم نہ ہوتا تو وہ نفی میں جواب نہ دیتے، اور خاص کر کہ جب یہ بات بالکل یقینی ہے کہ سوال متعہ کے ہی بارے میں تھا اور اس کے راوی ابو جعفر طوسی نے اس کو متعہ ہی کے باب میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

حضرت ابو عبداللہ (علیہ السلام)، ان کے پیش رو اور بعد کے ائمہ کی شان یہ نہیں کہ وہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کسی حکم کی مخالفت کریں، یا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرام کہیں اسے یہ حلال ٹھہرائیں، یا کوئی ایسی نئی چیز پیش کریں جس کا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں تصور بھی نہ تھا۔

اسی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ائمہ کرام کی جانب منسوب وہ تمام اقوال جن میں متعہ کی ترغیب دی گئی ہے ان کا ایک حرف بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ سارے اقوال گڑھے ہوئے ہیں اور یہ ان لوگوں نے گڑھے ہیں جو بد دین اور بد کردار تھے، اور اس سے ان کا مقصد اہل بیت کو بدنام کرنا اور ان پر کیچڑ اچھالنا تھا، ورنہ ان

کے اس قول کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے کہ ہاشمی خواتین کے ساتھ بھی متعہ کرنا جائز ہے اور یہ کہ جو متعہ نہ کرے وہ کافر ہے۔ جب کہ ائمہ کرام میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے ایک بار بھی متعہ کیا ہو یا اس کو حلال کہا ہو! کیا وہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو ماننے والے تھے؟!

اس وضاحت کے بعد ہمیں بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ جن لوگوں نے اس طرح کی روایتیں گڑھی ہیں وہ سب کمینے تھے، بدکردار تھے اور ان کا مقصد اہل بیت اور ائمہ کرام کی شان میں گستاخی کرنا تھا، اس لیے کہ ان روایتوں پر عمل کرنے کا مطلب ائمہ کرام کو بھی کافر قرار دینا ہے۔ لہٰذا بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

کلینی حضرت ابوعبداللہ (علیہ السلام) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عمر ابن خطابؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ امیر المومنین کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ کیسے زنا کیا؟ اس عورت نے بتلایا کہ میرا گزر ایک گاؤں سے ہوا، مجھے بہت شدید پیاس لگی، میں نے ایک شخص سے پانی طلب کیا تو اس نے پہلے دینے سے انکار کیا پھر یہ شرط رکھی کہ اگر میں اس کو اپنے اوپر قابو دے دوں تو وہ مجھ کو پانی دے دے گا میں پیاس کی شدت سے نڈھال ہو رہی تھی اور محسوس ہو رہا تھا کہ میری جان نکل جائے گی، اس لیے میں نے اس کی بات مان لی۔

یہ سن کر امیر المومنین (علیہ السلام) نے فرمایا: ''رب کعبہ کی قسم یہ تو نکاح ہوا'' (۱)

یہاں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ متعہ کے لیے ضروری ہے کہ دونوں طرف سے رضامندی اور رغبت پائی جائے، رہی بات اس روایت کی تو اس میں ایک

(۱) الفروع: ۱۹۸/۲۔

عورت مجبور، بے بس اور لاچار ہے، اور پانی کے دو گھونٹ کی خاطر اپنی آبرو کا سودا کر رہی ہے نہ کہ اپنے خوشی سے راضی ہے، اور اگر یہ زنا کے حکم میں نہیں تھا تو اس خاتون نے حضرت عمرؓ سے یہ درخواست کیوں کی کہ اس کو پاک فرمادیں؟ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ امیر المومنین جن سے خیبر کے وقت متعہ کے حرام ہونے کی حدیث مروی ہے وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ نکاح متعہ ہے؟ ورنہ اس فتویٰ کا مطلب یہی ہوگا کہ اس مرد و عورت کے مابین جو کچھ ہوا اس پر آپ کو کوئی اعتراض نہیں بلکہ آپ مطمئن ہیں۔

اگر یہ فتویٰ کوئی عام طالب علم بھی دیتا تو نہ صرف یہ اس کی چوک بلکہ صریح غلطی گردانی جاتی، جس پر اس کی نکیر کی جاتی اور اس کو ہدف ملامت بنایا جاتا، تو اس فتویٰ کی نسبت امیر المومنین کی جانب کرنا کیوں کر عقل میں آسکتا ہے؟

دنیا جانتی ہے کہ علم و فتویٰ میں ان کی ایک الگ ہی شان ہے۔

جس شخص نے بھی اس فتویٰ کی نسبت امیر المومنین کی جانب کی ہے وہ یا تو آپ سے بغض رکھتا ہے اور آپ کو مطعون کر کے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتا ہے، یا اس سے اس کی کوئی نفسانی غرض مقصود ہے، جس کی خاطر اس نے اس قصہ کو گڑھ کر امیر المومنین کی جانب منسوب کر دیا تاکہ متعہ کو شریعت کے لبادہ میں پیش کر کے جنسی تسکین کا سامان کریں اور دین کے نام پر صنف نازک کی شرمگاہ سے لطف اندوز ہوسکیں، اگرچہ اس کا نتیجہ ائمہ کرام اور خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات پر ایک بہتان ہی کیوں نہ ہو!!

متعہ کی تباہ کاری

متعہ کے مفاسد اور اس کی تباہ کاریاں بے شمار ہیں اور مختلف پہلوؤں سے ہیں، ہم یہاں ان میں سے کچھ کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) یہ شرعی نصوص کے بالکل مخالف ہے کیوں کہ یہ اس چیز کو حلال ٹھہراتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔

(۲) اس کو ماننے کی صورت میں ان بہت سی من گھڑت روایتوں کو تسلیم کرنا پڑے گا جن کی نسبت ائمہ کرام کی جانب کی گئی ہے، جب کہ ان روایتوں میں ایسی ناشائستہ اور نازیبا باتیں ہیں جن کو کمزور سے کمزور ایمان والا بھی برداشت نہیں کرسکتا۔

(۳) اس کی ایک برائی یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ اس کے شوہر کے علم کے بغیر متعہ کرنا درست ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں شوہروں کو اپنی بیویوں پر کوئی اعتبار نہیں رہے گا، کیوں کہ کوئی بھی عورت اپنے شوہر کی مرضی اور اس کے علم کے بغیر کسی بھی مرد کے ساتھ متعہ کا رشتہ قائم کرسکتی ہے! یہ ایک ایسی برائی ہے جس سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں۔(۱)

ذرا سوچیے! ایک غیور وباحمیت شخص کے دل پر کیا گزرے گی جب اس پر یہ راز کھلے گا کہ اس کی بیوی متعہ کے نام پر کسی پرائے مرد کے ساتھ رشتہ بنا چکی ہے؟!!

(۴) والدین اپنی جوان بیٹیوں سے بے فکر نہیں رہ سکتے کہ نہ جانے کب وہ متعہ کے نام پر کسی کے ساتھ جسمانی رشتہ قائم کرلے؟ اور انھیں اس کی بھنک بھی نہ لگ سکے! اور پھر اچانک باپ کو پتہ چلے کہ اس کی کنواری بیٹی حاملہ ہوگئی ہے، کیوں؟ کیسے؟ کس طرح؟ اسے کچھ نہیں پتہ، اسے یہ بھی نہیں پتہ کہ جس شخص کے ساتھ اس نے رشتہ قائم کیا ہے وہ کون ہے؟ کیوں کہ وہ شخص اپنی خواہش پوری کر کے اپنے راستہ کو ہولیا۔

(۵) عام طور پر وہ لوگ جو متعہ کرتے ہیں وہ دوسروں کی بیٹیوں کو اپنے لیے مباح سمجھتے ہیں، اور جب کوئی ان کی بیٹی یا ان کی کسی عزیزہ کے ساتھ یہی تعلق قائم

(۱) فروع الکافی: ۵/۵۶۱، تہذیب الاحکام: ۷/۵۵۴، الاستبصار: ۳/۱۴۵۔

کرنا چاہتا ہے تو وہ صاف انکار کردیتے ہیں اور اس کو گوارا نہیں کرتے ہیں، اس لیے کہ انھیں پتہ ہے کہ یہ کھلا ہوا زنا ہے، اور ان کے لیے بدنامی کا داغ ہے، اور انھیں اس وقت بھی اس کا احساس ہوتا ہے جب وہ دوسروں کی بیٹیوں کے ساتھ لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں! تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی بیٹیاں دوسروں کے حوالہ کریں؟!

واہ! خود کے لیے تو دوسروں کی بیٹیاں جائز اور مباح! مگر دوسروں کے لیے اپنی بیٹیاں حرام اور ناجائز!!

اگر متعہ کرنا حلال ہے، اور ایک دینی کام ہے، تو اپنی بیٹی یا خاندان کی عورت دوسروں کے حوالہ کرنے پر واویلا کیوں؟

(۶) متعہ کے لیے نہ گواہوں کی ضرورت ہے، نہ کسی اعلان کی اور نہ کسی ولی کی رضامندی کی، اور نہ متعہ کرنے والے شخص کی، میراث میں اس عورت کا کوئی حق بنتا ہے، بلکہ اس کی حیثیت صرف ایک مستعار شئی کی ہے (جیسا کہ اس سلسلہ کی ایک روایت حضرت ابوعبداللہ (علیہ السلام) کی جانب منسوب کی گئی ہے) جب یہ صورت حال ہے تو کیسے ممکن ہے کہ اس کو مباح سمجھا جائے اور لوگوں کو اس عمل پر ابھارا جائے اور ان کو اس کی ترغیب دی جائے؟

(۷) متعہ کے ذریعے بدکردار، بدذات اور آوارہ نوجوانوں کے لیے دروازہ یہ کھل جائے گا کہ وہ اپنی ہر برائی پر دین کا لیبل لگالیں۔ اس طرح سے تو اہل دین کی شبیہ بگڑ جائے گی، اور دین کھلواڑ بن کر رہ جائے گا!!

یہ ہیں متعہ کی دینی، سماجی اور اخلاقی برائیاں، جن کی وجہ سے متعہ حرام ہے، اگر اس کے اندر تھوڑا سا بھی نفع ہوتا تو یہ حرام نہ ہوتا، لیکن اس کی تباہ کاری اور اس کے مفاسد اتنے متنوع اور اس کثرت سے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اور امیر المومنین (علیہ السلام) نے اسے حرام قرار دیا۔

نوٹ

خیبر کے موقع پر متعہ کی حرمت کے سلسلہ میں امیر المومنین کے قول کے بارے میں امام خوئی سے میں نے پوچھا، اور ابو عبداللہ کے اس جواب کے بارے میں بھی جو انھوں نے اس شخص کو دیا تھا، جس نے پوچھا تھا کہ کیا بغیر گواہ کے نکاح جائز ہے؟ اور یہ کہ کیا ان باتوں کا چلن عہد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی تھا؟ تو امام خوئی نے جواب دیا کہ جہاں تک امیر المومنین کے قول کا تعلق ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حرمت صرف خیبر کے دن کے لیے خاص تھی، اس کے بعد اس کی حرمت باقی نہیں رہی۔

رہی بات ابو عبداللہ (علیہ السلام) کی تو انھوں نے جو کہا تھا وہ بطور "تقیہ" کہا تھا۔ ہمارے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔

میرا کہنا ہے کہ ہمارے فقہاء کا قول اس سلسلہ میں قطعی درست نہیں اس لیے کہ متعہ کی حرمت کے ساتھ ساتھ پالتو گدھوں کی حرمت کا بھی حکم نازل ہوا تھا، اور اس پر خیبر کے وقت سے لے کر آج تک عمل ہے اور قیامت تک رہے گا، تو صرف متعہ کی حرمت کو خیبر کے دن کے ساتھ خاص کرنا ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں، کیوں کہ گدھے کی حرمت اور متعہ کی حرمت ایک ساتھ نازل ہوئی تھی، اور گدھے کی حرمت ابھی تک مسلم ہے۔ اس کے علاوہ اگر متعہ کی حرمت محض خیبر کے دن کے ساتھ خاص تھی تو اس کی صراحت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور فرماتے کہ اب یہ حرمت منسوخ ہو چکی ہے۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ متعہ صرف حالت جنگ اور دوران سفر میں ہی حلال تھا، تو جنگ خیبر میں متعہ حرام کیسے ہو سکتا ہے؟ جو نہایت سنگین اور ہولناک تھی اور جس میں اس کی ضرورت سب سے زیادہ تھی، کیوں کہ وہاں نہ کسی کی بیوی تھی

اور نہ کسی کی باندی، اور پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ جنگ میں تو یہ حرام ہے اور عام دنوں میں حلال؟!!

امیر المومنین (علیہ السلام) کے قول کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ متعہ کی حرمت کا آغاز خیبر کے دن سے ہوا اور جہاں تک ہمارے فقہیاء کے اقوال کا تعلق ہے تو محض نصوص اور دلائل سے کھلواڑ ہے اور کچھ نہیں۔

حقیقی بات یہ ہے کہ متعہ کی حرمت اور پالتو گدھے کی حرمت ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اور ان دونوں کی حرمت کا حکم خیبر کے موقع پر ایک ساتھ نازل ہوا اور قیامت تک باقی رہے گا۔ لہٰذا دین کے نام پر بلکہ دین کو بدنام کر کے نفسانی خواہشات کی تکمیل، اور ہوش ربا جنس سے پیہم آسودگی کی خاطر امیر المومنین کے کلام کے تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔

رہی یہ بات کہ ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے سائل سے جو بات کہی تھی وہ بطور تقیہ کہی تھی۔ تو میں کہتا ہوں کہ سوال کرنے والا شخص ابو عبداللہ کے شیعوں میں سے تھا، تو پھر یہاں تقیہ کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ جب کہ ابو عبداللہ ہی امیر المومنین سے خیبر کے موقع پر متعہ کی حرمت کی روایت کے ناقل ہیں۔

ہمارے فقہاء نے جس متعہ کو حلال قرار دیا ہے اس سے ایک آدمی کو یہ اختیار ملتا ہے کہ وہ جتنی عورتوں کے ساتھ چاہے، اور جب چاہے لطف اندوز ہو کوئی قید نہیں، اور چاہے ایک ہی وقت میں یہ تعداد ہزار تک کیوں نہ پہنچ جائے۔

متعہ کی لعنت

کتنے ہی متعہ کرنے والے ایسے ہیں جنھوں نے ایک عورت کے ساتھ متعہ کیا اور پھر اس کی ماں، اس کی بہن اس کی خالہ یا اس کی پھوپھی کے ساتھ بھی متعہ کیا، اور اسے کچھ احساس بھی نہیں!!

ایک عورت میرے پاس آئی اور اپنا ایک واقعہ سنانے لگی، اس نے بتلایا کہ ایک شیعہ عالم (سید حسین الصدر) نے تقریباً بیس سال قبل اس کے ساتھ متعہ کیا تھا، جس سے وہ حاملہ ہوگئی، اس نے قسم کھا کر بتایا کہ یہ حمل اسی کا تھا کیوں کہ اس وقت تک اس شخص کے علاوہ اس کے ساتھ کسی اور نے جسمانی رشتہ قائم نہیں کیا تھا، جب سید صاحب کا من بھر گیا تو اس نے اس کو چھوڑ دیا، کچھ دنوں بعد اس کے گھر بیٹی پیدا ہوئی، لڑکی سیانی ہوئی، وہ بہت ہی خوبصورت اور پرکشش تھی، کچھ دنوں بعد اچانک یہ راز کھلا کہ اس کی بیٹی حاملہ ہے، اس نے اس سے اس کی حقیقت دریافت کی، تو لڑکی نے بتلایا کہ فلاں عالم (یعنی سید حسین الصدر) نے اس کے ساتھ متعہ کیا ہے، یہ سنتے ہی اس کے ہوش اڑ گئے، اس کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی اس نے خود کو کسی طرح سنبھالا اور اپنی بیٹی سے بتایا کہ وہی شخص اس کا باپ ہے، اور پھر اس نے اس کو پورا اول تا آخر پورا ماجرا سنایا۔

ہائے افسوس! ایک شخص ایک عورت سے متعہ کرتا ہے اور پھر وہ دن بھی آتا ہے جب اسی عورت کی بیٹی کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے جو درحقیقت اس کی اپنی ہی بیٹی ہے!

اس کے بعد وہ عورت پھر میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اب سید حسین الصدر کا اس کے ساتھ اور اس کی بیٹی کے ساتھ کیسا معاملہ ہونا چاہیے؟!

اس طرح کے واقعات بھرے پڑے ہیں کہ ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ متعہ کیا اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ عورت اس کی متعہ شریک بہن ہے، اور ایسا بھی ہوا کہ کسی نے اپنے باپ کی ہی بیوی کے ساتھ متعہ کیا!

اس قسم کے واقعات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

شریعت کی رہنمائی

اس سلسلہ میں بہترین ہدایت اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

"وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ" (النور: ۳۳)

(ترجمہ: اور جو نکاح نہیں کر سکتے ان کو چاہیے کہ خود پر قابو رکھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے نکاح کا سامان کردے)

جو شخص مالی قلت کی وجہ سے شرعی طور پر نکاح نہیں کرسکتا اس کو چاہیے کہ وہ عفت اور پاکدامنی کے ساتھ زندگی گزارے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے نکاح کا سامان کردے۔

اگر متعہ حلال ہوتا تو ایسے شخص کو پاکدامنی اختیار کرنے اور شادی کے لیے حالات کے موافق ہونے تک انتظار کرنے کا حکم نہ دیا جاتا، بلکہ اس کو ہدایت دی جاتی کہ خواہشات کی بھٹی میں جلتے رہنے کے بجائے متعہ کے ذریعہ جنسی آسودگی حاصل کرلے۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (النساء: ۲۵)

(ترجمہ: اور تم میں سے جو کوئی قدرت نہ رکھتا ہو کہ پاکباز مومن عورتوں سے نکاح کرے، تو وہ نکاح کرلے ان مسلمان کنیزوں سے جو تمہاری ملکیت میں ہیں، اور اللہ تمہارے ایمان سے خوب واقف ہے، تم آپس میں ایک ہو، سو ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو، اور ان کو دستور کے موافق مہر ادا کرو، اس طور پر کہ وہ قید نکاح میں آنے والی ہوں نہ کہ مستی نکالنے والی اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والی ہوں، جب وہ قید نکاح میں آجائیں اور پھر بے حیائی کا کام کریں تو ان کے لیے اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے، یہ اس کے لیے جو تم

میں سے بدکاری کا اندیشہ رکھتا ہو، اور اگر تم ضبط سے کام لو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اور اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے)۔

جو لوگ مالی تنگی کی وجہ سے نکاح شرعی نہیں کر سکتے ان کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ وہ اپنی باندی کے ساتھ نکاح کر لیں اور جو اس کی بھی حیثیت نہیں رکھتے ان کے لیے حکم ہے کہ وہ صبر سے کام لیں اور خود پر قابو رکھیں، پس اگر متعہ حلال ہوتا تو اس کی طرف ضرور رہنمائی کی جاتی۔

حرمت متعہ کے سلسلہ میں ائمہ کے اقوال

اس کے علاوہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ متعہ کی حرمت کے ثبوت میں ائمہ کرام کے اقوال بھی پیش کر دیے جائیں:

(۱) عبداللہ ابن سنان کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ (علیہ السلام) سے متعہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''اپنے دامن کو اس سے کبھی آلودہ نہ کرنا''۔(۱)

ابوعبداللہ (علیہ السلام) نے صراحت سے فرمادیا کہ متعہ کے ذریعہ اپنے دامن کو آلودہ نہ کرو، اگر یہ جائز ہوتا تو آپؑ ایسی بات نہ کہتے، آپ نے واضح طور پر اس کی حرمت بیان فرمادی ہے۔

(۲) عمار کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ (علیہ السلام) نے مجھ سے اور سلیمان ابن خالد سے فرمایا: ''تمہارے لیے متعہ حرام ہے''۔(۲)

آپؑ اپنے اصحاب کو متعہ پر پھٹکار لگاتے تھے اور اس پر ان کو تنبیہ کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ کیا تمہیں شرم نہیں آتی ہے کہ عورت کی شرمگاہ تم دیکھو اور پھر بعد میں اس کی نسبت تمہارے شریف دوستوں اور بھائیوں کی طرف کی جائے!(۳)

(۱) بحار الانوار: ۳۱۸/۱۰۰۔ (۲) فروع الکافی: ۴۸/۲، وسائل الشیعة: ۴۵۰/۱۴۔
(۳) الفروع: ۴۴/۲، وسائل الشیعة: ۴۵۰/۱۴۔

(۳) علی ابن یقطین نے ابوالحسن (علیہ السلام) سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: ''تم کو اس سے کیا غرض؟ اللہ نے تم کو اس سے بے نیاز فرمادیا ہے''۔(۱)

جی ہاں! اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح شرعی کے ذریعہ مسلمانوں کو متعہ سے بے نیاز فرمادیا ہے، اسی لیے اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ کسی نے اہل بیت کی کسی خاتون کے ساتھ متعہ کیا ہو، اگر یہ چیز جائز ہوتی تو یہ شریف زادیاں اسپر عمل ضرور کرتیں، اس بات کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابو عبداللہ ابن عمیر نے ابوجعفر (علیہ السلام) سے کہا کہ کیا آپ اس کو گوارا کریں گے کہ آپ کی بیبیاں، آپ کی بیٹیاں اور آپ کی بہنیں کسی کے ساتھ متعہ کریں؟ یہ الفاظ سن کر ابوجعفر (علیہ السلام) نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔(۲)

اس سے ہر ذی شعور اور باہوش مسلمان کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کہ متعہ حرام ہے، کیوں کہ یہ قرآن وسنت اور ائمہ کے اقوال کی خلاف ورزی ہے۔

جو شخص بھی قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرے گا اور مذکورہ دلائل کا جائزہ لے گا (اگر وہ واقعی حق کا طالب اور سچائی کا جویا ہے) تو وہ برملا کہہ اٹھے گا کہ متعہ پر ابھارنے اور اس کی ترغیب دینے والی ساری روایتیں بے بنیاد ہیں کیوں کہ یہ قرآن وسنت (جن کے علوم کے اہل بیت امین ہیں) سے پوری متصادم ہیں۔ اور اس کے مفاسد اس قدر ہیں کہ ان کو قید تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ البتہ چند مفاسد کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین اسلام نیکیوں اور بھلائیوں پر آمادہ کرنے اور برائیوں اور گھٹیا باتوں سے روکنے کے لیے آیا ہے، اور وہ بندوں کے لیے ایسے رہنما اصول فراہم کرتا ہے جن سے ان کی زندگیاں استوار ہو سکیں۔ اور یہ جگ ظاہر ہے

(۱) الفروع: ۴/۲، الوسائل: ۴۴۹/۱۴۔ (۲) الفروع: ۴۲/۲، التهذیب: ۱۸۶/۲۔

کہ متعہ سے کسی کی زندگی سنور نہیں سکتی، اور اگر بالفرض کسی ایک کا اس سے بھلا ہو بھی جائے تو باقی سب کے لیے اس میں نقصانات بھرے پڑے ہیں۔ گذشتہ صفحات میں ان کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

عورت کی شرمگاہ کو مستعار دینا

متعہ کے چلن کا نتیجہ یہاں تک آپہنچا کہ عورت کے مقام مخصوص کو مستعار بھی دیا جانے لگا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی یا باندی کو کسی دوسرے شخص کے پاس کچھ وقفہ کے لیے چھوڑ دے تاکہ وہ اس کے ساتھ متعہ کرے یا اس سے دوسری خدمات حاصل کرے۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی سفر پر جانے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں کہیں اس کی بیوی زنا میں ملوث نہ ہو جائے، تو اس خوف سے بچنے کے لیے وہ اپنی بیوی کو پورے اختیار کے ساتھ اپنے پڑوسی یا کسی دوست یا کسی معتبر شخص کے سپرد کر دیتا ہے۔

عورت کے مقام مخصوص کو منگنی دینے کی ایک دوسری صورت بھی ہے، وہ یہ کہ جب کوئی شخص کسی کے یہاں مہمان ہوتا ہے اور صاحب خانہ اس کی گرم جوشی سے ضیافت کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنی بیوی اس مہمان کے حوالے کر دیتا ہے جس سے وہ اس وقت تک لطف اندوز ہوتا ہے جب تک وہ اس کے گھر مہمان رہتا ہے۔

یہاں افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس سلسلہ کی روایتیں گڑھ کر امام صادق (علیہ السلام) اور ان کے والد بزرگوار ابوجعفر (علیہ السلام) کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں۔

طوسی، محمد کے حوالہ سے ابوجعفر (علیہ السلام) کا یہ قول نقل کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے کہا: کیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے بھائی کو اپنی باندی کی شرمگاہ مستعار دے دے؟

انھوں نے جواب دیا کہ ہاں جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ جتنے کی

اجازت دی ہے اتنا ہی حلال ہوگا۔(۱)

کلینی اور طوسی، محمد بن مضارب سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ (علیہ السلام) نے مجھ سے کہا کہ محمد! اس باندی کو لے جاؤ یہ تمہاری خدمت کرے گی، تم اس سے لطف اندوز بھی ہونا، اور جب جی بھر جائے تو واپس کر دینا۔(۲)

میرا کہنا ہے کہ اگر پوری انسانیت بھی قسم کھا کر یہ بات کہے کہ امام صادق (علیہ السلام) اور امام باقر (علیہ السلام) نے ایسی بات کہی ہے تب بھی میں تسلیم نہ کروں!!

ان دونوں اماموں کی شخصیت بہت ہی بلند ہے، ان کے شایان شان نہیں کہ وہ اس جیسی گھٹیا بات کہیں یا اس طرح کے گھناؤنے عمل کو درست قرار دیں جو اسلامی اخلاق واقدار کے سراسر منافی ہے۔ بلکہ یہ ایک کمینہ پن ہے جس سے وہ پاک اور مبرا ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ائمہ کرام سینہ بسینہ اپنے اسلاف سے ان علوم کے حامل ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچتا ہے، تو ایسی باتوں اور ایسے اعمال کو ان کی جانب منسوب کرنا گویا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب منسوب کرنا ہے جس کا لازمی نتیجہ اس کو شریعت الٰہیہ ثابت کرنا ہے۔

جب ہمارا ہندوستان کے دورہ پر جانا ہوا تھا تو یہاں کے شیعہ ائمہ سے بھی ہماری ملاقاتیں رہیں جیسے سید نقوی وغیرہ، اس وقت ہم نے بہت سے ہندوؤں کو دیکھا، گائے پوجنے والوں کو دیکھا اور بہت سارے سکھوں کو بھی دیکھا، متعدد بت پرست مذاہب کے پیروکاروں سے بھی واسطہ پڑا۔ اس کے علاوہ بہت سے باطل

(۱) الاستبصار: ۱۳۶/۳۔ (۲) الفروع: ۲۰۰/۲، الاستبصار: ۱۳۶/۳۔

مذاہب کا ہم نے مطالعہ بھی کیا مگر کسی بھی مذہب میں یہ نہیں ملا کہ اس جیسے شنیع اور گھٹیا فعل کی اجازت دی گئی ہو؟ تو پھر اخلاقیات کے معمولی اصولوں سے بھی میل نہ کھانے والے اس فعل کی اسلام میں گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟!!

ہمارا ایران کے حوزہ میں بھی جانا ہوا، جہاں ایسے سادات سے ملاقاتیں رہیں جو عورت کو مستعار دینے کے قائل ہیں، اس کے مباح قرار دینے والوں میں سید لطف اللہ صافی جیسے لوگ بھی ہیں۔ انہی وجوہات کی بنا پر ایران میں عورت کی شرمگاہ کو مستعار لینے دینے کا عام رواج ہے۔ یہ سلسلہ مدتوں پرانا ہے یہاں تک کہ شاہ محمد رضا پہلوی کی ہلاکت اور پھر آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی موسوی کی آمد اور پھر ان کی رحلت کے بعد بھی یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔

عصر حاضر میں شیعوں کی اس پہلی حکومت کی ناکامی کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ بھی ہے(۱) حالاں کہ پوری دنیا کے شیعہ اس حکومت سے آس لگائے بیٹھے تھے، مگر نتیجہ یہاں تک آپہنچا کہ بعض اہم شخصیات نہ صرف یہ کہ اس سے بیزار اور مایوس ہوئیں بلکہ اس کی مخالفت پر کمربستہ بھی ہوگئیں، ہمارے ایک دوست علامہ سید موسیٰ موسوی نے اس کا نام "الثورة البائسة" یعنی "ناکام انقلاب" رکھا، اور اس کی مخالفت میں متعدد مضامین، مقالے اور کتابیں شائع کیں

(۱) مجھے اور مجھ جیسے بہت سے سادات کو امام خمینی کی حکومت سے سخت مایوسی ہوئی، کیوں کہ ہمیں امید تھی کہ اس حکومت کے بعد ایران اسلام کا ایک مضبوط قلعہ ثابت ہوگا، مگر افسوس کہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد مخالفین کی بیخ کنی اور ان کے خون سے ہولی کھیلنے کا ایک طویل خونیں سلسلہ چل پڑا، خاندان کے خاندان مٹا دیے گئے، خون کی ندیاں بہتی رہیں، اور لوگ بے رحم تماشائی بنے دیکھتے رہے، حالاں کہ سوچا تو یہ گیا تھا کہ جس فساد کا سلسلہ خاندان پہلوی نے شروع کیا تھا اس حکومت میں وہ تھم جائے گا، مگر فساد بدستور جاری رہا بلکہ امام خمینی کی آمد کے بعد تو اس میں اور شدت آتی گئی، مردوں اور عورتوں کے غسل خانے مخلوط رہے، زنا جو پہلے کھلم کھلا ہوتا تھا اب پس پردہ ہونے لگا اور پہلے سے کہیں زیادہ، بے پردگی نے فیشن کا روپ دھار لیا، لڑکیاں پتلون پہنتیں، بناؤ سنگھار کرتیں، اور پردہ کے نام پر صرف ایک اسکارف ڈال لیتیں اور بس۔ رشوت اور چوری جیسی برائیاں عام ہوگئیں۔

جن میں اس انقلاب کی خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

سید جواد موسوی کا کہنا ہے: ایران میں اسلامی انقلاب کے ساتھ اسلام کا صرف اور صرف نام جڑا تھا۔

آیت اللہ العظمیٰ سید محمد کاظم شریعت مداری اس کے سخت معاندین میں سے تھے، کیوں کہ اس انقلاب کے اندر وہ اسلام سے کھلا انحراف دیکھ رہے تھے۔

ان کے علاوہ ایسے بہت سے سادات ہیں جن کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ انھوں نے امام خمینی کی حکومت پر سخت تنقید کی اور ان سے متنفر اور کنارہ کش ہوگئے۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ ایسے سادات بھی ہیں جنھوں نے شرمگاہ کو مستعار دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ جنوبی عراق اور بغداد کے ان علاقوں میں جہاں انقلاب کے اثرات پڑے تھے، بہت سے ایسے خاندان آباد ہیں جو سیستانی، صدر، شیرازی، طباطبائی اور بروجردی جیسے سادات کے فتاویٰ کو بنیاد بنا کر اس پر سختی سے کاربند ہیں، ان میں سے کسی کے یہاں جب کوئی مہمان آتا ہے اور اس کو کوئی عورت بھا جاتی ہے تو میزبان بلا تامل اس کو مستعار دے دیتا ہے، اور مہمان اپنی مدت قیام میں اس سے مسلسل لطف اندوز ہوتا ہے۔

ہماری ذمہ داری ہے کہ اس حیا سوز، اخلاق سوز اور ایمان سوز عمل سے لوگوں کو آگاہ کریں، اور ان علماء کو بالکل منہ نہ لگائیں جو اس فعل قبیح کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، جس پر دین کا رنگ چڑھانے، اور لوگوں کے درمیان اس کو رواج دینے میں کچھ ناپاک خفیہ ہاتھ بھی سرگرم رہے ہیں۔

عورتوں کے ساتھ لواطت

بات یہیں تک محدود نہیں۔ ان شیعوں نے عورتوں کے ساتھ لواطت تک کو مباح قرار دیا ہے، اور اس سلسلہ کی مفروضہ روایتیں ائمہ کرام کی جانب منسوب کی ہیں۔

عبداللہ بن ابی یعفور سے طوسی روایت کرتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ (علیہ السلام) سے دریافت کیا کہ کیا کوئی شخص عورت کی پچھلی شرمگاہ سے خواہش پوری کرسکتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اگر عورت راضی ہے تو کوئی حرج نہیں۔

میں نے کہا: اگر یہ بات درست مان لی جائے تو اللہ رب العزت کے اس قول کا کیا مطلب ہوگا؟ "فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ" (ترجمہ: تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ پاک نے تم کو حکم دیا ہے)

انھوں نے جواب دیا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب اولاد کی خواہش ہو، یعنی اولاد کو اس طریقہ پر چاہو جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ" (ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں سو تم اپنے کھیت میں آؤ جس طرح چاہو)

طوسی ہی موسیٰ ابن عبدالملک کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے امام ابوالحسن رضا (علیہ السلام) سے عورت کی پچھلی شرمگاہ سے خواہش پوری کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس کی حلت تو خود قرآن پاک میں لوط (علیہ السلام) کے اس قول میں موجود ہے: "هٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ" (ھود: ۷۸)

(ترجمہ: یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں، یہ پاک ہیں تمہارے لیے) کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ ان کو اگلی شرمگاہ کی خواہش نہیں ہے۔(۱)

طوسی کا بیان ہے کہ علی بن حکم کہتے ہیں: میں نے صفوان کو یہ کہتے سنا کہ میں نے رضا (علیہ السلام) سے عرض کیا کہ آپ کا ایک خادم آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہے مگر وہ آپ سے شرماتا ہے اور رعب کھاتا ہے، اس لیے اس نے مجھے پوچھنے کے لیے کہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ پوچھو کیا پوچھنا ہے؟ میں نے کہا کہ کیا کسی شخص کے لیے درست ہے کہ وہ اپنی بیوی کی "دُبُر" (پچھلی شرمگاہ) میں شہوت پوری

(۱) الفروع: ۲۰۰/۲۔ الاستبصار: ۱۳۶/۳۔

کرے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں! جائز ہے۔(۲)

بلاشبہ یہ ساری روایتیں قرآنی نصوص کے سراسر خلاف ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ" (البقرۃ: ۲۲۲)

(ترجمہ: اور وہ لوگ آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ وہ ایک گندگی ہے، پس تم حیض کے دنوں میں عورتوں سے الگ رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں ان سے قربت نہ کرو)

تو اگر پچھلی شرمگاہ سے ضرورت پوری کرنا مباح ہوتا تو کہا جاتا کہ ایام حیض میں عورتوں کی "شرمگاہ" سے دور رہو لیکن چوں کہ پچھلی شرمگاہ سے خواہش کرنا حرام ہے اسی لیے حالت حیض میں اگلی اور پچھلی دونوں سے یہ کہہ کر روک دیا گیا "وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ"، یعنی ان کے قریب بھی نہ جانا۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت فرمادی کہ مرد کس طرح عورت کے قریب جائے؟ ارشاد ہے:

"فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ" (ترجمہ: پھر جب وہ پاک ہوجائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ پاک نے تم کو حکم دیا ہے) اور اللہ پاک کا حکم ہے کہ اگلی شرمگاہ سے خواہش پوری کی جائے۔

ارشاد باری ہے: "نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ".

(ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں سو تم اپنے کھیت میں آؤ جس طرح چاہو) اور "الحرث" سے مراد ہے موضع ولادت۔

جہاں تک تعلق ہے ابویعفور کی اس روایت کا جس میں ابوعبداللہ (علیہ السلام) کا یہ قول ذکر کیا گیا ہے کہ "اولاد کی خواہش "فرج" (اگلی شرمگاہ) سے ہوتی ہے، اور

(۱) الاستبصار: ۳۶۶/۳۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول "نِسَاءُ کُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ" اسی حکم میں ہے یعنی اولاد کی خواہش میں، تو گویا اس کا مطلب یہ نکلا کہ "فرج" طلب اولاد کے ساتھ خاص ہے اور شہوت وجنسی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے "دبر" (پچھلی شرمگاہ) ہے، سیاق کلام بھی اسی کی تائید کرتا ہے"۔

یہ ایک صریح غلطی ہے، اس لیے کہ فرج صرف افزائش نسل کے ساتھ خاص نہیں، اس سے خواہشات کی تکمیل بھی ہوتی ہے، اور آدم سے لے کر قیامت تک ہر شخص کی ازدواجی زندگی کی یہی حقیقت ہے۔ اور ابو عبداللہ (علیہ السلام) کی ذات سے تصور نہیں کہ وہ ایسی بھنڈی بات کہہ دیں۔ اور اگر بالفرض ہم یہ مان لیں کہ پچھلی شرمگاہ سے خواہش پوری کرنا جائز ہے تو اس آیت کریمہ "فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ" کا کیا مطلب ہوگا؟ اور ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ اگلی اور پچھلی دونوں شرمگاہ سے جنسی تسکین درست ہے، اور یہ بات بھی واضح ہے کہ اس مقصد کی خاطر تیسری کوئی جگہ نہیں تو پھر اس آیت کا کیا مفہوم بچے گا؟ اور اس میں جو حکم دیا جا رہا ہے اس کی کیا حقیقت ہوگی؟!!

لہٰذا جب یہ طے ہوگیا کہ دونوں جگہوں میں سے ایک جگہ حلال ہے اور دوسری جگہ حرام، تو اب یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کس جگہ سے خواہش پوری کی جائے، تو اللہ رب العزت نے "موضع حرث" سے ضرورت پوری کرنے کا حکم دیا ہے، اور "موضع حرث" وہ جگہ ہے جہاں سے اولاد کی خواہش کی جائے، پس یہ جگہ اولاد کی خواہش اور جنسی تسکین دونوں کے پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔

رہی بات اس روایت کی جس کی نسبت امام رضا (علیہ السلام) کی جانب کی گئی ہے، جس میں عورت کے ساتھ لواطت کرنے کو حلال ٹھہرایا گیا ہے اور اس کی دلیل میں لوط (علیہ السلام) کا قول ذکر کیا گیا ہے، تو اس سلسلہ میں میرا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ

کے اس قول: "هٰؤُلَاءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ" کی تفسیر ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے:

"وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِيْنَ، اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ"

(العنکبوت: ۲۸/۲۹)

(ترجمہ: اور ہم نے لوط علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا، جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا؟! تم مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور راستہ کاٹتے ہو)

"قطع السبیل" کا مطلب صرف "قطع الطریق" (یعنی ڈاکہ ڈالنا) ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب قطع نسل بھی ہے۔ اور اگلی شرمگاہ کو چھوڑ کر پچھلی شرمگاہ میں خواہش پوری کرنے کا مطلب ہی قطع نسل ہے، کیوں کہ اگر لوگ لواطت کو عادت بنالیں (خواہ مرد کے ساتھ یا عورت کے ساتھ) اور اگلی شرمگاہ کو چھوڑ دیں تو اس سے نسل منقطع ہوجائے گی اور انسانیت کا سلسلہ ختم ہوجائے گا۔ آیت کریمہ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے اور سیاق کو ملحوظ رکھا جائے تو یہی مفہوم سامنے آتا ہے، اور ایسا ممکن نہیں کہ امام رضا (علیہ السلام) اس بدیہی مفہوم سے واقف نہ رہے ہوں۔ اس لیے ان کی جانب جس روایت کی نسبت کی گئی ہے وہ بالکل بے بنیاد، اور جھوٹ پر مبنی ہے۔

عورتوں کے ساتھ لواطت کے قائل صرف اہل تشیع اور ان میں بھی خصوصاً "فرقۂ امامیہ اثنا عشریہ" ہے۔

ہم آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ تقریباً سارے ہی سادات خواہ وہ حوزۂ نجف سے تعلق رکھتے ہوں یا دوسرے حوزوں سے یا کہیں اور کے ہوں سب کے سب لواطت کی اس لعنت میں ملوث ہیں۔

ہمارے ایک ساتھی علامہ سید احمد وائلی کا کہنا ہے کہ جب سے ان کو عورتوں کے ساتھ لواطت کے مباح ہونے کی روایتیں معلوم ہوئی ہیں وہ مستقل لواطت ہی کرتے ہیں، کم ہی ایسا ہوتا ہے جب وہ عورت کی اگلی شرمگاہ سے حاجت پوری کرتے ہوں!

جب بھی میری کسی شیعہ عالم سے ملاقات ہوتی ہے میں اس سے یہ ضرور پوچھتا ہوں کہ عورت کے ساتھ لواطت کرنا حلال ہے یا حرام؟ تو مجھے اس سے یہی جواب ملتا ہے کہ یہ حلال ہے، اور اس کے منہ سے اس کے مباح ہونے کی بہت سی روایتیں سننے کو ملتی ہیں، جن میں وہ روایتیں بھی ہوتی ہیں جن پر گذشتہ صفحات میں بحث کی جا چکی ہے۔

مردوں کے ساتھ لواطت

شیعوں نے نہ صرف عورتوں کے ساتھ لواطت کو حلال قرار دیا بلکہ مردوں اور خاص کر ''امرد'' (نوخیز لڑکے) کے ساتھ بھی اس کی اجازت دی ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں حوزہ میں تھا، خبر ملی کہ عالی مرتبت سید عبدالحسین شرف الدین موسوی بغداد تشریف لانے والے ہیں، اور عنقریب سماحۃ الامام آل کاشف غطاء سے ملاقات کے لیے حوزہ بھی تشریف لائیں گے، سید شرف الدین کو عوام وخواص میں بڑی مقبولیت حاصل تھی، ''المراجعات'' اور ''النص والاجتہاد'' جیسی ان کی تصنیفات کے سامنے آنے کے بعد ان کی شہرت میں چار چاند لگ گئے تھے۔

سید صاحب کی جب نجف آمد ہوئی تو حوزہ بھی تشریف لائے، طلباء اور علماء سب ان کی زیارت کے لیے ٹوٹ پڑے، سید آل کاشف غطاء کے دفتر میں ایک نشست رکھی گئی، جس میں بعض ائمہ اور دیگر طلباء بھی شریک تھے، میں بھی وہاں

حاضر تھا، دوران نشست ایک خوبرو نوجوان مجلس میں داخل ہوا، اس نے سلام کیا، حاضرین نے جواب دیا، وہ نوجوان سید کاشف غطاء سے مخاطب ہوا کہ جناب! کچھ پوچھنا ہے۔ سید صاحب نے کہا کہ جو کچھ پوچھنا ہے سید شرف الدین صاحب سے پوچھ سکتے ہو (انھوں نے سید صاحب کے اعزاز میں یہ بات کہی)

نوجوان نے کہا: جناب! میں لندن میں زیر تعلیم ہوں، اور پی ایچ ڈی کی تکمیل کر رہا ہوں، میری ابھی تک شادی نہیں ہوئی ہے، اور اب میں ایک عورت کا ساتھ چاہتا ہوں جو میرا تعاون کر سکے (اس نے اپنا حقیقی منشا ظاہر نہیں کیا)

سید شرف الدین نے اس سے کہا کہ تم شادی کر لو اور اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھو۔

نوجوان نے جواب دیا: اپنے ملک کی کسی خاتون کو اپنے ساتھ رکھنے میں بڑی دشواریاں ہیں!

اس کے اس جواب سے شرف الدین صاحب اس کا منشا بھانپ گئے، انھوں نے کہا: پھر کیا تم کسی برطانوی عورت سے شادی کرنا چاہتے ہو؟

نوجوان نے کہا: جی ہاں!

شرف الدین صاحب نے کہا کہ یہ تو جائز نہیں ہے اس لیے کہ یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔

نوجوان نے کہا: پھر میں کیا کروں؟

شرف الدین نے کہا کہ وہاں مقیم کسی لڑکی کو تلاش کرتے رہو خواہ عرب کی ہو یا ہندوستان کی ہو یا کسی بھی ملک کی بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

نوجوان نے کہا: میں نے بہت تلاش کیا مگر کوئی ایسی لڑکی نہیں ملی جس سے میں شادی کر سکوں، یہاں تک کہ متعہ کے لیے بھی کوئی لڑکی نہیں مل سکی۔

اب میرے سامنے دو ہی راستے ہیں: یا میں زنا کروں یا شادی کروں، اور یہ دونوں راہیں میرے لیے دشوار ہیں، کیوں کہ زنا حرام ہے اور میں اس سے کلی طور

پر مجتنب ہوں، اور رہی بات شادی کی تو میں یہ بھی نہیں کر سکتا جیسا کہ آپ کو بتا چکا ہوں، اور مجھے وہاں تقریباً ایک سال یا اس سے زیادہ ٹھہرنا ہے اور اس کے بعد بھی مجھے صرف ایک مہینہ کی ہی رخصت ملے گی، اس طرح میری مدت سفر خاصی طویل ہے۔ اب جناب ہی بتلائیں کہ میں کیا کروں؟

سید شرف الدین صاحب تھوڑی دیر خاموش رہے (ان سے کوئی جواب بن نہیں پا رہا تھا) پھر فرمایا: تمہاری صورت حال واقعی بڑی پیچیدہ ہے، بہر حال مجھے اس وقت امام جعفر صادق (علیہ السلام) کی ایک روایت یاد آ رہی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کو کثرت سے سفر کرنا پڑتا تھا، وہ نہ اپنے ساتھ اپنی بیوی کو رکھ سکتا تھا اور جہاں جاتا نہ وہاں کسی کے ساتھ متعہ کی گنجائش ہوتی، اس کی وہی صورت حال تھی جو اس وقت تمہاری ہے، تو ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے اس سے فرمایا: ''جب تم کو لمبی مدت کے لیے سفر کرنا پڑ جائے تو تم مرد سے نکاح کر لیا کرو''۔ (۱) بس یہی جواب تمہارے سوال کا بھی ہے۔ (۲)

وہ شخص وہاں سے چلا گیا لیکن اس کے چہرہ پر بے اطمینانی کے آثار بالکل نمایاں تھے۔ حاضرین بالکل خاموش تھے۔ ان میں حوزہ کے سرپرست بھی تھے، مگر کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

(۱) جب مجھے تنہائی میں سید آل کاشف غطا سے گفتگو کا موقع ملا تو میں نے سید شرف الدین صاحب کی بیان کردہ اس روایت کے بارے میں دریافت کیا، تو انھوں نے جواب دیا کہ دوران مطالعہ میری نگاہوں سے یہ روایت کبھی نہیں گذری۔ اس وقت سے میں اس روایت کا حوالہ تلاش کر رہا ہوں کہ کسی بھی کتاب میں اس کا ذکر مل جائے، جتنی کتابیں مجھے مل سکیں میں نے کھنگال ڈالیں، لیکن یہ روایت مجھے کہیں نہیں ملی، میرا خیال ہے کہ انھوں نے برجستہ یہ روایت بیان کر دی تھی تا کہ حاضرین کے سامنے ان کی سبکی نہ ہو۔

(۲) سید شرف الدین کے بعض شاگردوں نے مجھ سے بتلایا کہ وہ جب بھی یورپ جاتے ہیں تو وہاں کی گوری چمڑی والی خوبصورت لڑکیوں کے ساتھ عیاشی کرتے ہیں، ہر دن کے لیے الگ ویشیا ہوتی ہے، اس کے علاوہ انھوں نے مارونی فرقہ کی ''نہار'' نامی ایک مسیحی (کتابیہ) لڑکی سے شادی بھی کر رکھی ہے۔ ایسا کیوں ہے کہ وہ اپنے لیے تو ایک چیز کو حلال سمجھتے ہیں اور وہی چیز دوسروں کے لیے حرام؟!

مدرس حوزہ کی بدفعلی

حوزہ میں ایک عالم صاحب تھے، وہ ایک کم سن لڑکے کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے پکڑے گئے، بہت سے کانوں تک ان کی اس حرکت کی خبر پہنچی، دوسرے دن موصوف ہاسٹل میں چہل قدمی فرما رہے تھے، تو حوزہ ہی کے ایک دوسرے عالم جنھیں اس واقعہ کا علم ہو چکا تھا ان کے قریب آئے اور بڑے بلیغ انداز میں چٹکی لیتے ہوئے پوچھا: جناب! ہول (Hole) مارنے کے سلسلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں؟۔ (۱)

انھوں نے اس سے بھی بلیغ انداز میں جواب دیا: صرف ''حشفہ'' (سپاری) کا داخل کرنا بہتر ہے۔ اور پھر فضا میں ان کے قہقہوں کی آواز گونجنے لگی۔

یہیں حوزہ میں ایک دوسرے عالم صاحب کا واقعہ ہے جو لواطت میں بدنامی کی حد تک مشہور تھے، انھوں نے حوزہ ہی کے ایک عالم کے ساتھ ایک کم سن لڑکے کو دیکھا، دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ یہ بچہ کون ہے؟

انھوں نے جواب دیا: یہ میرا فلاں بیٹا ہے۔

اس پر انھوں نے کہا کہ آپ اس کو ہمارے پاس کیوں نہیں بھیجتے کہ ہم اس کو تعلیم دیں اس کی تربیت کریں اور پھر یہ بھی آپ کی طرح ایک بڑا عالم بن جائے؟

یہ سن کر انھوں نے جھنجلاتے ہوئے کہا: کمینے! میں جانتا ہوں کہ تیری نیت کیا ہے، تو چاہتا ہے کہ میں اس کو تیرے پاس چھوڑ دوں اور پھر تو اس کے ساتھ ....کرے!!

یہ واقعہ مجھ سے حوزہ ہی کے ایک معتبر استاذ نے بیان کیا ہے۔ (۲)

(۱) ان کی مراد لواطت سے تھی۔ (۲) اور یہ کوئی انوکھی یا تعجب خیز بات نہیں ہے، کیوں کہ ہم نظم کا جو حصہ پڑھتے رہے ہیں اس میں صراحت سے یہ باتیں تک موجود ہیں، ع.. ''وجائز نکاح الغلام امرد'' (اور امرد لونڈے کے ساتھ نکاح جائز ہے)

اس طرح کے بہت سے واقعات ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، اور جو کچھ ہم نے سنا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ہمارے ایک فاضل دوست سید عباس نے اس طرح کے بہت سے واقعات (پوری تفصیلات، تاریخ اور ناموں سمیت) جمع کر دیے ہیں اور اس کو فضائح الحوزة العلمية فی النجف'' (نجف کے علمی حوزہ کی رسوائیوں کے افسانے) کے نام سے کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ یہ کام اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ شیعہ عوام تک حقیقت پہنچے اور ان کو معلوم ہو کہ جو کچھ ان کے سامنے ہے وہ صرف ڈرامہ ہے جب کہ حقیقت کچھ اور ہی ہے! ان بے چاروں کو کچھ خبر نہیں کہ یہ ''سادات'' (شیعہ علماء) ان کا کیسے استحصال کرتے ہیں! عوام اپنی بیٹیوں، بیویوں اور بہنوں کو ان کے پاس زیارت کے لیے، یا حسین (علیہ السلام) کے نام پر نیاز چڑھانے کے لیے یا پھر اولاد کی تمنا میں بھیجتے ہیں، اور یہ ''علماء'' ایسے موقعوں کا خوب فائدہ اٹھاتے ہیں، اور خاص کر جب کوئی خوبصورت دوشیزہ ان کے پاس پہنچتی ہے تو اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں تا کہ اس کے ساتھ ہر نازیبا حرکت کی جا سکے اور ہر طرح سے اپنی خواہش پوری کی جا سکے!!

ولا حول ولا قوة الا بالله

☆☆☆☆☆

خمس کی حقیقت

متعہ کے بعد شیعہ فقہاء و مجتہدین نے سب سے زیادہ جس چیز کے ذریعہ عوام الناس کا استحصال کیا ہے وہ ہے خمس۔ خمس ان کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہے جس کے ذریعہ ان کے قدموں پر دولت کے انبار لگ جاتے ہیں، حالاں کہ نصوص شریعت صاف بتاتے ہیں کہ شیعہ عوام پر اس کی فرضیت باقی نہیں رہی، ان کا اپنے اوپر اس کا استعمال بالکل جائز ہے، اپنی کمائی کا یہ پانچواں حصہ نکالنا ان کے لیے ہرگز ضروری نہیں۔ اپنے مال و دولت اور اپنی کمائی میں تصرف کا نہ صرف انھیں پورا حق حاصل ہے بلکہ سادات اور مجتہدین کو خمس دینے والا گنہگاروں کے زمرہ میں ہے، اس لیے کہ یہ امیر المومنین (علیہ السلام) اور دیگر ائمہ اہل بیت کے اقوال کی خلاف ورزی ہے۔

ہمارے معزز قارئین خمس کی حقیقت اور اس کے استعمال کے طریقوں سے بخوبی واقف ہو سکیں اس لیے ہم اس موضوع کو قدرے تفصیل سے لیتے ہوئے اس کے تاریخی ارتقاء پر بھی روشنی ڈالنا چاہیں گے، اور اپنی باتوں کی تائید میں نصوص شریعت، اقوال ائمہ، اور قابل استناد مجتہدین کے فتاویٰ بھی درج کریں گے:

(۱) ضریس کنانی سے مروی ہے کہ ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے ارشاد فرمایا: "تمھیں کچھ پتہ بھی ہے کہ لوگوں میں یہ زنا کا چلن کہاں سے آیا؟ میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان! آپ ہی بتلا دیجیے! فرمایا: اہل بیت کی پاکیزہ اور اصلی نسل کو چھوڑ کر ہمارے نام نہاد "اہل بیت" کے اسی نظریۂ خمس کی بدولت۔ حقیقی اہل بیت کے لیے تو یہ حلال ہے کیوں کہ وہ اہل بیت ہیں"۔(۱)

(۲) حکیم مؤذن بن عیسیٰ سے روایت ہے کہ میں نے ابو عبداللہ سے دریافت کیا کہ اس آیت:

"وَاعۡلَمُوۡا انَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی........" (الأنفال: ۴۱)

(ترجمہ: اور جان لو کہ بطور غنیمت جو کچھ تمھیں ملے اس کا پانچواں حصہ ہے اللہ کے لیے، (اس کے) رسول کے لیے، (رسول کے) رشتہ داروں کے لیے...) کا کیا مفہوم ہے؟

اس پر ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے کہنیاں موڑ کر گھٹنوں پر رکھیں اور ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "بخدا! آیت کا مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی آمدنی میں پانچواں حصہ اہل بیت کو دیا جائے، البتہ میرے والد نے شیعوں پر یہ پابندی نہیں رکھی ہے تاکہ وہ پاکیزہ زندگی بسر کر سکیں"۔(۲)

(۳) عمر بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنا مال لے کر ابو عبداللہ (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا: ابو سیار! ہم نے اسے تمھارے لیے پاک کر دیا ہے اور تم لوگوں کو اس میں تصرف کا حق دے دیا ہے، اپنا مال لے جاؤ، شیعوں کے پاس جو بھی مال ہے وہ سب ان کا اپنا ہے، جب تک کہ روئے زمین پر ہماری حکومت قائم

(۱) اصول الکافی: ۲/۵۰۲۔شرح الشیخ مصطفی۔ (۲) الکافی: ۲/۴۹۹۔

نہ ہو جائے"۔(۱)

(۴) محمد بن مسلم حضرات حسنین میں سے کسی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: "قیامت کے روز سب سے زیادہ کٹھن گھڑی وہ ہوگی جب خمس والا کھڑا ہوگا اور فریاد کرے گا: پروردگار! میرا خمس!! ہم نے اپنے شیعوں کو اس سے بے نیاز کر دیا ہے تاکہ ان کی اولاد نیک اور پاکیزہ ہو"۔(۲)

(۵) ابو عبداللہ (علیہ السلام) فرماتے ہیں: "لوگ سب کے سب ہمارے احسان کے سائے میں پلتے ہیں، مگر ہم نے اپنے شیعوں کو اس سے پاک کر دیا ہے"۔(۳)

(۶) یونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ میں ابو عبداللہ (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا جس کے چہرے پر ندامت کے آثار تھے، وہ کہنے لگا: میں آپ پر قربان! ہمارے ہاتھ میں بہت سا مال اور ڈھیر سارا سامان تجارت رہتا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ آپ حضرات کا بھی اس میں حق ہے، مگر اس حق کی ادائیگی میں ہم سے کوتاہی ہو جاتی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر ہم نے تم لوگوں پر اس کا بوجھ ڈالا ہے تو ہم سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔(۴)

(۷) علی بن مہزیار کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر (علیہ السلام) کی ایک تحریر پڑھی ہے جس میں لکھا تھا کہ ان کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، وہ چاہتا تھا کہ خمس کی ادائیگی سے اسے معاف کر دیا جائے اور وہ اس مال کو اپنے حسب منشا اپنے اوپر استعمال کر سکے، اس پر ابو جعفر (علیہ السلام) نے خود یہ تحریر لکھی کہ جو ہمارا حق ادا کرنے سے قاصر ہے اس سے یہ حکم معاف کیا جاتا ہے۔(۵)

(۸) ایک شخص امیر المومنین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے کچھ مال ملا جس میں سے کچھ میں نے اپنے اوپر خرچ کر لیا، تو کیا اب میرے

(۱) اصول الکافی: ۲/۲۶۸۔ (۲) اصول الکافی: ۲/۵۰۲۔ (۳) من لا یحضرہ الفقیہ: ۲/۲۴۳۔
(۴) من لا یحضرہ الفقیہ: ۲/۲۳۔ (۵) من لا یحضرہ الفقیہ: ۲/۲۲۔

لیے توبہ کی گنجائش ہے؟ فرمایا: لاؤ پہلے میرا حق خمس مجھے دے دو۔ وہ خمس لے آیا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: لے جاؤ، یہ بھی تمہارا ہی حق ہے۔ اور انسان جب توبہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے مال کی بھی توبہ ہو جاتی ہے۔(۱)

یہ اور اس طرح کی بہت سی روایتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ شیعوں سے خمس کی فرضیت ساقط ہو چکی ہے، انھیں خمس کے مال میں تصرف کا پورا حق حاصل ہے، چاہے اسے وہ خود کھائیں، اہل بیت پر قطعی خرچ نہ کریں یا جو ان کے جی میں آئے کریں ان کو مکمل اختیار ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ مذکورہ بالا تیسری روایت کی روشنی میں تو خمس نکالنا ہی ضروری نہیں جب تک کہ امام غائب نہ آ جائیں۔

اور یاد رہے کہ امام غائب کے آنے کے باوجود بھی یہ مال ان کے حوالے نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اہل بیت کی حکومت قائم نہ ہو جائے۔

اس تصریح کے بعد اس مال کو فقہاء اور مجتہدین کے حوالے کرنا کہاں سے درست ہو سکتا ہے؟!

فقہاء کرام کے فتاویٰ

مذکورہ روایات اور ان جیسے بہت سارے نصوص کی روشنی میں جن میں صراحت کے ساتھ شیعوں کو خمس سے معاف رکھا گیا ہے، ہمیں متعدد کبار فقہاء اور مجتہدین کے فتاویٰ ملتے ہیں جن میں صاف طور پر شیعوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اہل بیت کی حکومت کے قائم ہونے تک خمس کا مال کسی کے حوالے نہ کریں بلکہ وہ خود ہی اس کا استعمال کریں۔ یاد رہے کہ یہ وہ فقہاء ہیں جن کا علمی مقام و مرتبہ بہت اونچا ہے اور علمائے شیعہ کے نزدیک ان کی بڑی قدر و منزلت ہے۔

ملاحظہ کیجیے:

(۱) من لایحضرہ الفقیہ: ۲/۲۲۔

(۱) محقق حلّی نجم الدین جعفر بن حسن (م ۶۷۶ھ)

انھوں نے امام غائب کی غیوبت کے زمانے میں تجارت کے منافع، اور رہنے سہنے کے ساز و سامان کو بلا تکلف استعمال کرنے کی اجازت دی ہے (یعنی کسی میں خمس کا نکالنا ضروری نہیں ہے) اور فرمایا ہے کہ موجودہ خمس کے مستحقین کو دینے کے لیے خمس نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔(۱)

(۲) یحیٰی بن سعید حلّی (م ۶۹۰ھ)

آپ کا یہ نظریہ تھا کہ ائمہ کرام نے شیعوں کے اعزاز اور ان کے اکرام میں ان کو اپنے اوپر خمس کے استعمال کی اجازت دی ہے، جس کی صراحت آپ کی کتاب "الجامع للشرائع" (صفحہ: ۱۵۱) میں ملتی ہے۔

(۳) حسن بن مطہر حلّی

ان کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری کا ہے، انھوں نے شیعوں سے خمس کے سقوط اور ان کے لیے اس کے استعمال کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، یہ فتویٰ "تحزیر الاحکام" میں صفحہ نمبر ۷۵/۱ پر موجود ہے۔

(۴) شہید ثانی (م ۹۶۶ھ)

انھوں نے "مجمع الفائدة والبرهان" (۲) میں اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ خمس کا استعمال مطلقاً جائز ہے، نیز فرمایا کہ یہی بات صحیح ہے جیسا کہ کتاب "مسالک الافہام" (صفحہ: ۶۸) میں درج ہے۔

(۱) کتاب شرائع الاسلام: ۱۸۲/۱۸۳۔ کتاب الخمس۔ (۲) ۴/۳۵۵، ۳۵۸

(۵) مقدس اردبیلی (م ۹۹۳ھ)

آپ اپنے دور کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ لوگوں میں آپ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کو ''مقدس'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔
آپ کا کہنا تھا کہ شیعوں کو امام غائب کے مال خمس میں تصرف کا پورا حق ہے، خاص کر جب ان کو اس کی سخت ضرورت ہو۔ مزید فرمایا کہ روایات کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس کلی طور پر ساقط ہے خواہ زمانۂ غیوبت ہو یا زمانۂ حضوری، کیوں کہ کسی بھی قسم کے منافع پر یہ سرے سے واجب ہی نہیں، اس لیے کہ اس سلسلہ میں نہ کوئی پختہ دلیل موجود ہے اور نہ ''مال غنیمت'' ہی موجود ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اس آیت کی روشنی میں انھوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے: ''**واعلموا انما غنمتم من شیٔ**'' (الأنفال:۴۱) (ترجمہ: اور جان لو کہ جو کچھ تم کو مال غنیمت میں سے ملے)۔

انھوں نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ بہت سی روایات میں امام مہدی نے فرمایا ہے کہ ہم نے شیعوں کے لیے خمس کو حلال کردیا ہے۔

(۶) علامہ سلار

آپ کا کہنا ہے کہ غیوبت کے زمانے میں ائمہ نے شیعوں کے اعزاز واکرام میں خمس کو ان کے لیے معاف کردیا ہے۔(۱)

(۷) سید محمد علی طباطبائی

آپ کی وفات گیارہویں صدی کے اوائل میں ہوئی ہے، آپ کا کہنا ہے کہ

(۱) المراسیم: صفحہ ۶۳۳۔

خمس کے سلسلہ میں صحیح قول اباحت ہی کا ہے۔(۱)

(۸) محمد باقر سبزواری

آپ کا زمانہ گیارہویں صدی کے اواخر کا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ خمس کا مال شیعوں کے لیے حلال ہے، اور اس کے ثبوت کے لیے یہ حوالے کافی ہیں:

صحیحة الحارث بن المغیرة، صحیحة الفضلاء، روایة محمد بن مسلم، روایة داؤد بن کثیر، روایة اسحاق بن یعقوب، روایة عبدالله بن سنان، صحیحة زرارة، صحیحة علی بن مهزیار، صحیحة کریب، وغیرہ۔

اس رائے پر وارد ہونے والے بعد اشکالات کا جواب دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ جواز کی روایتیں ہی زیادہ صحیح اور صریح ہیں، لہٰذا مذکورہ روایات کی بنا پر اس سے ہٹ کر دوسری بات کہنا بالکل درست نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ امام غائب کی روپوشی کے زمانے میں خمس کے استعمال کی اجازت والا قول ہی قوی ہے۔(۲)

(۹) محمد حسن فیض کاشانی

انھوں نے اپنی کتاب ''**مفاتیح الشریعة**'' (۳) میں اس حق کے سقوط کا قول اختیار کیا ہے جسکا تعلق امام مہدی سے ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ شیعوں کو اس کے استعمال کی اجازت ائمہ نے دی ہے۔

(۱۰) جعفر کاشف غطاء (م ۱۲۲۷ھ)

آپ نے ''**کشف الغطاء**'' (صفحہ: ۳۶۴) میں ائمہ کے ذریعے شیعوں کو

(۱) مدارک الافہام: ۳۴۴۔ (۲) ذخیرة المعاد: صفحہ: ۲۹۲۔ (۳) صفحہ ۲۹۹، مفتاح نمبر ۲۶۰۔

دی گئی خمس کی حلت اور ان کے ذمہ سے اس کے سقوط کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱۱) محمد حسن نجفی (م ۱۲۶۶ھ)

انھوں نے اپنی کتاب "جواهر الکلام" (۱) میں یہ ثابت کیا ہے کہ امام غائب کی غیبوبت کے زمانہ میں بلکہ ان کی حضوری کے زمانے میں بھی (جو کہ غیبوبت ہی کے مثل ہے) شیعوں کے لیے خمس کا استعمال بالکل جائز ہے، اور اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ اس سلسلہ کی روایات قریب قریب حد تواتر تک پہنچتی ہیں۔

(۱۲) شیخ رضا ہمدانی (م ۱۳۱۰ھ)

اب میں اخیر میں شیخ رضا ہمدانی کی رائے نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو انھوں نے اپنی کتاب "مصباح الفقیه" (۲) میں ظاہر کی ہے، ان کی رائے ہے کہ غیبوبت امام کے زمانہ میں خمس کا مال شیعوں کے لیے حلال ہے۔

خیال رہے کہ شیخ ہمدانی اخیر دور کے عالم ہیں، ان کا زمانہ تقریباً ایک صدی قبل کا ہے۔

اس طویل بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ متاخرین ومتقدمین تمام ائمہ مجتہدین کا یہ کہنا ہے کہ خمس کا استعمال شیعوں کے لیے جائز ہے، اس کی ادائیگی ان کے لیے ضروری نہیں ہے۔ چودھویں صدی کے اوائل تک اس پر عمل ہوتا رہا۔
اس کے علاوہ نصوص سے بھی خمس کے جواز کی دلیل ملتی ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو پھر خمس کا مال آج کے فقہاء ومجتہدین کے حوالے کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ جب کہ خود ائمہ کرام نے خمس کا مال لینے سے انکار کیا

(۱) ۱۶/۱۴۱۔ (۲) صفحہ:۱۵۵

اور اس کے مالکوں کو واپس کردیا، تو کیا فقہاء ومجتہدین کا مرتبہ اور ان کی حیثیت ائمہ علیہم السلام سے بھی بڑھ کر ہے؟!

خمس کے جواز کے سلسلہ میں ائمہ کرام کے سیکڑوں اقوال وفتاویٰ موجود ہیں، ان میں سے ہم نے بطور مثال محض چند کا ذکر کیا ہے۔ چوں کہ اس مسئلہ میں یہی قول راجح ہے، اور نصوص اور عمل ائمہ کے مطابق بھی ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر صدی میں اس کے قائل فقہاء کی ایک بڑی تعداد رہی ہے، اسی لیے ہم نے ہر صدی میں سے ایک شخصیت کا انتخاب کرکے اس کے قول کو ذکر کیا ہے۔

شیخ مفید کا فتویٰ

آیئے! اب ہم شیعہ مکتبۂ فکر کی دو ممتاز شخصیتوں کے فتاویٰ دیکھتے ہیں: شیخ مفید اور شیخ طوسی۔

شیخ مفید ارشاد فرماتے ہیں:

امام غائب کی غیبوبت کے زمانے میں خمس کی ادائیگی اور عدم ادائیگی کے سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، ایک فریق کسی بات کا قائل ہے تو دوسرا فریق دوسری رائے رکھتا ہے۔ (پھر آپ نے اس سلسلہ کے اقوال گنانے کے بعد فرمایا کہ) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جب امام غائب ہیں تو پھر یہ مال کس کو دیا جائے؟ لہٰذا خمس کا نکالنا واجب نہیں ہے۔ اس کی تائید میں متعدد روایتیں موجود ہیں۔

بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اس مال کو دفن کرکے رکھا جائے گا، اس کی تائید میں یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ امام غائب جب حاضر ہوں گے تو زمین اپنے خزانے اگل دے گی، اور جب وہ اقتدار میں آئیں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں ان خزانوں کا پتہ بتادے گا، جنھیں وہ ان کی جگہ سے حاصل کرلیں گے۔

پھر ان اقوال میں سے ایک قول کو اختیار کرتے ہوئے شیخ مفید فرماتے ہیں کہ

صاحب امر (یعنی امام غائب) کے لیے خمس کو الگ کر کے رکھا جائے گا، اگر ان کے ظہور سے پہلے کسی کو اپنی موت کا یقین ہو جائے تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ کسی ایسے شخص کو وصیت کر جائے جو عقل اور دین کے متعلق قابل اطمینان ہو یہاں تک کہ امام کا زمانہ آجائے اور وہ اسے ان کے حوالے کر دے، ورنہ پھر وہ شخص اپنی موت کا وقت آجانے پر کسی دوسرے شخص کو جس کی عقل اور دین پر اس کو اطمینان ہو، یہ مال حوالے کر دے۔ مذکورہ شرط کے ساتھ یہی سلسلہ چلتا رہے گا تا آنکہ امام غائب کا ظہور ہو جائے۔

یہی قول میرے نزدیک سابقہ تمام اقوال میں زیادہ واضح ہے اس لیے کہ خمس امام غائب کا حق ہے، اور امام اپنی غیبوبت سے قبل اس کی ادائیگی کے لیے کوئی واضح طریقہ چھوڑ کر نہیں گئے جس پر عمل کرنا واجب ہو۔

مزید فرماتے ہیں کہ خمس کا حکم زکوٰۃ ہی کی طرح ہوگا، جس طرح زکوٰۃ کا وقت آنے پر اسے ادا کرنا اور مستحقین تک اس کو پہنچانا ضروری ہے، اسی طرح خمس کا بھی حکم ہوگا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے مال خمس کے دو حصے کر کے ایک امام کے لیے محفوظ کر دے اور دوسرے حصہ سے قرآن کی روشنی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل اطہار میں سے جو یتیم ہوں، مسافر ہوں، مسکین ہوں ان کی ضرورتوں کی تکمیل کرے تو وہ راہ راست سے دور نہیں مانا جائے گا، بلکہ اس کا یہ عمل درست ہوگا۔ اگرچہ اس سلسلہ میں فقہاء کے مابین اختلاف رائے موجود ہے۔ (۱)

شیخ طوسی کا فتویٰ

شیخ طوسی (م ۴۶۰ھ) حوزۂ نجف کے بانی واولین سرپرست ہیں، آپ خمس

(۱) المقنعۃ: ۴۶۔

کے احکام ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

خمس کی فرضیت کا حکم امام کے زمانۂ ظہور سے وابستہ ہے (۱) اور امام کے عدم ظہور کی صورت میں فقہاء نے شیعوں کو نکاح، تجارت اور مکانات جیسی ضروریات میں اس کے تصرف کی اجازت دی ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی صورت میں کسی بھی طرح کے تصرف کی اجازت نہیں ہے۔ اور جہاں تک تعلق ہے امام غائب کی حاضری سے قبل کے دفینے اور خزانے کا تو ہمارے اصحاب کے مابین اس سلسلہ میں اختلاف ہے، کیوں کہ اس ضمن میں کوئی صریح دلیل موجود نہیں۔ اسی لیے سارے فقہاء نے اس سلسلہ میں احتیاط سے کام لیا ہے۔ (۲)

پھر طوسی نے ان آراء کو چار اقوال میں دائر کیا ہے:

(۱) بعض کہتے ہیں کہ جتنی طویل مدت امام غائب روپوش یا غائب رہیں تو ہر چیز ہمارے لیے مباح ہے تو نکاح وتجارت جیسے معاملات ہی کی طرح خمس کا بھی حکم ہوگا۔ یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ یہی قول ائمہ سے منقول نصوص کے موافق ہے، اور اکثر فقہاء کا اسی پر فتویٰ ہے۔

(۲) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جب تک انسان زندہ رہے خمس نکال کر اس کی حفاظت کرتا رہے، مرنے کا وقت آنے پر اپنے کسی قابل اعتماد مومن بھائی کو اس کی وصیت کر کے مرے کہ صاحب امر (یعنی امام) کے آنے پر ان کے حوالے کرے یا پھر وہ بھی اپنے بعد آنے والوں کو وصیت کر کے مرے، یہ سلسلہ چلتا رہے یہاں تک کہ امام غائب کا ظہور ہو جائے اور یہ امانت ان تک پہنچ جائے۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ اس کو دفن کرنا واجب ہے، اس لیے کہ امام غائب کی حاضری کے بعد زمین اپنے خزانے اگل دے گی۔

(۱) یعنی امام کے ظاہر ہونے کے بعد خمس کا حکم دوسرا ہے، اور ظہور نہ ہونے کی صورت میں دوسرا ہے۔

(۲) ان کا یہ کہنا کہ کوئی صریح نص موجود نہیں یہ خود محل نظر ہے، اس لیے کہ زمانہ غیبوبت میں شیعوں کے حق میں خمس کے مباح ہونے کے سلسلہ میں، بہت سارے نصوص ہیں، جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔

(۴) کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ خمس کے چھ حصے کرنا واجب ہے، تین حصے امام کے لیے دفنا دیے جائیں یا قابل اعتماد لوگوں کے پاس امانت کے طور پر رکھوا دیے جائیں (یہی قول طوسی نے اختیار کیا ہے) اور بقیہ تین حصے آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں جو اس کے مستحق ہیں ان پر تقسیم کر دیے جائیں۔

اس رائے پر عمل کرنا زیادہ مناسب ہے، خمس کا زکوۃ پر قیاس کر کے جو فتویٰ شیخ مفید نے دیا ہے یہ قول ان کے اس فتویٰ کے مطابق ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ اگر انسان احتیاط کو پیش نظر رکھے اور دفن یا وصیت جیسے مذکورہ اقوال میں سے کسی قول پر عمل کر لے تو وہ مجرم نہیں ہوگا۔ (انتہی بتصرف یسیر)

غیبوبت امام کے زمانے میں خمس میں تصرف سے متعلق اقوال کا طوسی نے ان چار اقوال میں حصر کیا ہے، اور ان میں سے خود چوتھا قول انھوں نے اختیار کیا ہے(۱) اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ ان چاروں میں سے کسی قول پر بھی عمل کرنے والا مجرم نہیں۔

یہ چاروں اقوال ہمارے پیش نظر ہیں، اگرچہ ان کی بعض تفصیلات و جزئیات میں اختلاف ہے مگر ایک چیز پر سب کا اتفاق ہے، اور وہی ہماری گفتگو کا محور ہے، وہ یہ کہ اس مال خمس میں (جو کہ امام غائب کا حق ہے) علماء اور مجتہدین میں سے کسی کا کوئی حق نہیں۔

یہ چاروں اقوال اموالِ خمس سے متعلق ہیں اور ان میں تصرف کے سلسلہ میں مختلف طریقے بیان کیے گئے ہیں، مگر کہیں بھی صراحتاً تو دور کی بات اشارۃً وکنایۃً بھی یہ ذکر نہیں ملتا کہ فقہاء و مجتہدین کو خمس کا پورا مال یا اس کا کچھ حصہ ہی ملنا چاہیے۔

---

(۱) یہی اکثر فقہاء کی بھی رائے ہے۔

چوتھا قول جسے شیخ طوسی نے بھی اختیار کیا ہے یہی شیعوں کا بھی قول ہے، ظاہر ہے شیخ طوسی سید الطائفہ اور حوزۂ علمیہ کے مؤسس بھی ہیں۔

سوچیے! شیخ اور ان سے پہلے اور بعد کے سب شیعہ کیا غلطی پر تھے؟ حوزۂ نجف کے اولین سرپرست کا فتویٰ آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ اب آیئے! حوزہ کے آخری سرپرست کے درمیان فتوؤں کا فرق واضح ہو جائے:

امام خوئی کا فتویٰ

خمس کے مستحقین اور اس کے مصارف کو بیان کرتے ہوئے امام خوئی فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں (جو کہ غیبوبت کا زمانہ ہے) خمس کے دو حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ امام موعود کے لیے (ہماری روحیں ان پر قربان!) اور ایک حصہ بنی ہاشم کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔

آگے فرماتے ہیں کہ جو ایک حصہ امام کا حق ہوگا وہ ان کی غیبوبت کے زمانہ میں ان کے نائب کو دیا جائے گا بشرطیکہ وہ فقیہ ہو، قابل اعتماد ہو، مصارف کا مکمل علم رکھتا ہو، یہ حصہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا، یا اپنے لیے اس سے اجازت لے لی جائے گی۔(۱)

امام خوئی کا یہ فتویٰ شیخ طوسی کے فتویٰ سے بالکل مختلف ہے، شیخ طوسی خمس یا اس کے کسی بھی حصہ کو فقیہ مجتہد کے حوالے کرنے کے قائل نہیں ہیں، اور ان کے اسی فتویٰ کی روشنی میں ان کے معاصر جمہور شیعہ کا عمل بھی رہا ہے، جب کہ مولانا مرحوم امام خوئی کا فتویٰ صاف بتا رہا ہے کہ خمس یا اس کے حصوں کو فقیہ یا مجتہد کے حوالے کیا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

---

(۱) ضیاء الصالحین: مسئلہ نمبر ۱۲۵۹، صفحہ/۳۴۷۔

نظریۂ خمس کے ارتقاء پر ایک نظر

پہلا قول

سلسلۂ امامت کے انقطاع اور امام مہدی کی روپوشی کے بعد یہ رائے سامنے آئی کہ خمس کا مال امام غائب کے لیے مخصوص ہے، کسی فقیہ وسید یا کسی مجتہد کا اس میں کوئی حق نہیں، یہی وجہ تھی کہ بیسیوں لوگوں نے صرف خمس کا حقدار بننے کے لیے امام غائب کی نیابت کا دعویٰ کیا، اور کہا کہ امام غائب سے ہماری ملاقات ہوتی رہتی ہے، اور ہم ان کا حق خمس ان تک پہنچا سکتے ہیں۔

یہ رائے غیوبت صغریٰ کے زمانے میں سامنے آئی، اس پر ایک یا دو صدی اس حال میں گذر گئی کہ کسی مجتہد یا کسی سید کو خمس نہیں دیا گیا، اسی دور میں شیعوں کی مشہور ومعروف کتابیں جو کہ "صحاح اربعہ" (ابتدائی چار صحاح) کے نام سے مشہور ہیں، منظر عام پر آئیں۔ ان تمام کتابوں میں شیعوں کو خمس سے معاف رکھا گیا ہے اور ان کے لیے اس کے استعمال کی اجازت ذکر کی گئی ہے۔ سادات اور مجتہدین کے حوالے خمس کرنے کا کوئی فتویٰ ان میں درج نہیں ہے۔

دوسرا قول

مذکورہ قول کی روشنی میں غیوبت کے زمانے میں شیعوں کو جب خمس کے

استعمال کی اجازت مل گئی تو پھر اس نظریہ کے ارتقاء کا سفر آگے بڑھا، اور خود غرض شیعوں نے جب پہلے قول سے راہ فرار اختیار کرنا چاہا تو خمس کے وجوب کا فتویٰ صادر کر دیا گیا، اور یہ کہا گیا کہ خمس نکالنا واجب ہے اور امام غائب کی حاضری تک اس کو زمین میں دفن کر کے اس کو محفوظ رکھا جائے گا۔

تیسرا قول

ذرا اور ترقی ہوئی تو یہ کہا گیا کہ یہ مال کسی امانت دار شخص کے پاس رکھا جائے، اور اس کے لیے سب سے زیادہ موزوں فقہائے کرام کی شخصیتیں ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ کوئی فرض نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔ پھر یہ فقیہ کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ ان امانتوں کی حفاظت کرے، اور ان میں کوئی تصرف نہ کرے یہاں تک کہ امام مہدی تک پہنچا دے۔

نوٹ

کیا کوئی فقیہ ایسا بھی گزرا ہے جس نے ان امانتوں کا خیال رکھا ہو اور اس حد تک رکھا ہو کہ اپنے بعد اپنے جانشین کو تاکید کی ہو کہ یہ امانتیں ہیں، ان کا لحاظ رکھنا، اور صحیح سلامت آنے والے جانشینوں کے حوالے کر دینا؟!

بلا شبہ سچائی یہی ہے کہ اس طرح کے "امانت دار فقیہ" کا دیدار نہ ہماری آنکھوں کو نصیب ہوا اور نہ ہی اس کا تذکرہ ہماری سماعت سے ٹکرایا، جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ خمس کا مال اس کے پاس محفوظ تھا اور اس نے آنے والوں کے لیے اسے بطور امانت چھوڑا ہو!

حقیقت یہی ہے کہ جو مال ہمارے فقہاء کے پاس امانت کے طور پر رکھوائے گئے، ان کی وفات کے بعد ان کے ورثاء نے میراث سمجھ کر اس پر خوب ہاتھ صاف

کیا، اس طرح سے خمس کی امانت جو امام غائب تک سلسلہ وار پہنچنی تھی وہ راستہ ہی میں ہمارے ''امانت دار فقہاء'' کے وارثوں میں تقسیم ہوگئی، اور ورثاء کو بھی یہ میراث اس وقت نصیب ہوئی جب کہ ہمارے فقہاء اپنی زندگی میں امانتوں کا لحاظ رکھنے والے رہے ہوں اور اس امانت کو انھوں نے اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھ لی ہو!

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قاضی ابن بہراج (براج) نے اس نظریہ کو ایک منزل اور آگے بڑھاتے ہوئے استحباب سے نکال کر وجوب کے درجہ تک پہنچا دیا۔ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے امام غائب کی آمد تک ان کا حصہ قابل اعتماد فقہاء (اگر فقہاء کی زندگی میں امام غائب آگئے تو یا پھر نسل در نسل ان کے قابل اعتماد ورثاء) کے پاس امانت رکھوانے کے وجوب کا فتویٰ دیا۔(۱)

ارتقاء کے سفر کا یہ ایک اہم اور قابل ذکر مرحلہ تھا۔

چوتھا قول

اس کے بعد متاخرین علماء کا دور آیا، انھوں نے آہستہ آہستہ اور منزلیں طے کیں، یہاں تک کہ اخیر سے پہلے والا (Second Last) مرحلہ آیا اور انھوں نے خمس کا مال فقہاء کے حوالے کرنے کے وجوب کا فتویٰ دیا، اور فقہاء کو یہ اختیار دیا کہ جن یتیموں اور مسکینوں کا تعلق اہل بیت سے ہو ان میں سے مستحقین کے درمیان اسے تقسیم کردیں۔

کتاب ''الوسیلة'' (۲) کی تصریح کے مطابق راجح قول یہی ہے کہ چھٹی صدی میں فقیہ ابن حمزہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے یہ رائے پیش کی، اور صاحب خمس کے خود سے تقسیم کرنے کے بجائے (بالخصوص اس وقت جب کہ اچھی طرح تقسیم کرنا اسے نہ آتا ہو) فقہاء کے حوالے کرنے کو افضل بتایا۔

(۱) اس کی تصریح کتاب المهذب ۱۸۰/۸ میں موجود ہے۔ (۲) الوسیلة فی نیل الفضیلة: صفحہ ۶۸۲

پانچواں قول

رفتہ رفتہ اس نظریہ نے اپنے ارتقائی سفر کے اور مراحل طے کیے اور قریبی زمانہ میں (غالباً ایک صدی قبل) اس کا آخری مرحلہ سامنے آیا، اور بعض فقہاء نے امام غائب کے اس حصہ کو طالبان علوم پر اور دینی شعائر کے قیام پر نیز فقیہ کے ذریعے مناسب سمجھے گئے دیگر مصارف میں بھی خرچ کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا، مثال کے طور پر سید محسن حکیم کا فتویٰ جو ان کی کتاب ''مستمسک العروة الوثقی'' میں موجود ہے۔(۱)

یہ بھی واضح رہے کہ انھوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ امام غائب کے اس حصہ کو صرف کرنے کے لیے کسی فقیہ کی طرف رجوع کی بھی ضرورت نہیں۔

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ قصہ ماضی قریب ہی کی اختراع ہے۔ شیعوں نے جب اپنی صورت حال کا جائزہ لیا تو انھیں اپنے مدارس اور مطابع خستہ حال نظر آئے، نیز اپنی ذاتی ضروتوں کا خیال بھی انھیں ستانے لگا، ان ضرورتوں کی تکمیل اور مسائل کے حل کے لیے انھیں ایک زبردست بجٹ اور خطیر رقم کی ضرورت تھی، اب یہ ''بے چارے'' کیا کرتے؟!

بالآخر جملہ ضروتوں کی تکمیل اور ذاتی مفادات کو بروئے کار لانے اور پھر زبردست صاحب جاہ وثروت بننے کے لیے نظریۂ خمس ان کے حق میں سب سے مؤثر اور اچھا ذریعہ ثابت ہوا۔ آج فقہاء ومجتہدین کی صورت حال کا مشاہدہ کچھ اسی طرح کے نتائج تک پہنچاتا ہے۔

یہ نظریہ اپنے ارتقائی سفر کے متعدد مراحل طے کرتا اور مختلف تبدیلیوں سے آشنا ہوتا ہوا اس نتیجہ پر پہنچا کہ کمائی کا خمس (پانچواں حصہ) فقہاء اور مجتہدین کے

(۱) ۵۸۴/۹

حوالے کرنا واجب ہے۔

اس سے یہ بات پوری طرح کھل کر سامنے آگئی کہ خمس کے سلسلہ میں نہ کتاب وسنت میں کوئی دلیل ہے اور نہ ہی اقوال ائمہ میں کوئی ثبوت، بلکہ یہ اخیر دور کی پیداوار ہے جو بعض مجتہدین کے ذہنوں کی اختراع ہے، اور یہ کتاب وسنت اور ائمہ اہل بیت اور معتبر ومستند علماء وفقہاء ومجتہدین کے اقوال کے سراسر خلاف ہے۔

مخلصانہ اپیل

میں اپنے شیعہ بھائیوں اور بیٹوں سے مخلصانہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی کمائی اور اس کے منافع کا خمس (پانچواں حصہ) سادات اور مجتہدین کے حوالے ہرگز ہرگز نہ کریں، اس لیے کہ آپ لوگوں کے لیے اس کا استعمال بالکل جائز ہے، کسی سید یا فقیہ کا اس میں کوئی حق نہیں بنتا، اور جو اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے کہ مجتہد یا فقیہ کو خمس دے وہ ائمہ کے اقوال کی خلاف ورزی کی وجہ سے گنہگار شمار ہوگا، اس لیے کہ تمام شیعوں سے اس وقت تک کے لیے خمس کی فرضیت ساقط ہے جب تک کہ امام غائب کا ظہور نہ ہو جائے۔

امام خمینی کا قول

اس موقع پر یہ بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی کا قول بھی نقل کردوں، ۱۳۸۹ھ کی بات ہے کہ حوزہ میں ہم لوگوں کے سامنے ایک محاضرہ (۱) میں آپ نے فرمایا تھا:

''بڑی کوتاہ نظری ہوگی اگر یہ کہا جائے کہ شریعت میں خمس کا حکم صرف آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی ضرورتوں کی کفالت کے لیے دیا گیا ہے، کیوں کہ

(۱) یہ محاضرہ بعد میں "الحکومۃ الاسلامیۃ" یا "ولایۃ الفقیہ" کے نام سے شائع ہوا۔

اس مقصد کے لیے ہزاروں ہزار کے اس بجٹ کا صرف ایک معمولی حصہ ہی کافی تھا۔ تہران، دمشق اور استنبول وغیرہ کی زبردست تجارتی منڈیوں کا ذکر چھوڑیے، صرف بغداد کی ایک منڈی ہی لیجیے، اس کا پانچواں حصہ ہی ان کی کفالت کے لیے کافی تھا، تو آپ ہی بتائیے بقیہ مال آخر کہاں کھپے گا؟''

مزید فرمایا:

''میرا ماننا ہے کہ انصاف پسند اسلامی حکومتوں کو بھی چھوٹے چھوٹے اور مصلحت عامہ سے ہٹے ہوئے کاموں کے لیے اتنے بڑے بجٹ کی ضرورت نہیں پڑتی''۔

بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

''فقراء اور مساکین کو دینے کے لیے زکوٰۃ کا ٹیکس، اور سادات اہل بیت کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے خمس کا ٹیکس لاگو نہیں کیا گیا، یہ تو ان کی ضرورتوں سے ہزارہا ہزار گنا بڑھا ہوا ہے، تو کیا یہ ممکن ہے کہ اسلام اس کے بعد بھی زکوٰۃ اور خمس کا ٹیکس فقراء اور سادات کے لیے باقی رکھے؟ اور پھر ان کی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد بچے ہوئے مال کا کیا ہوگا؟ کیا اس کو دریا کی موجوں کے حوالے کیا جائے گا یا سپرد خاک کردیا جائے گا؟!

شروع زمانے میں جن سادات کا اسی پر مدار تھا ان کی تعداد سو سے متجاوز نہ تھی۔ مان لیجیے آج ان کی تعداد پانچ لاکھ ہے تو کیا یہ معقول بات ہوگی کہ اسلام اس چھوٹی سی ضرورت کی تکمیل کے لیے اتنا بڑا بجٹ منظور کرلے جو روز افزوں (جیسے جیسے تجارت کا سلسلہ بڑھتا جاتا ہے، صناعتوں کی ترقی ہوتی جاتی ہے) بڑھتا ہی جارہا ہے؟! کیا یہ اتنا بڑا بجٹ محض ذریت رسول کی معاشی آسودگی کے لیے ہے؟''۔(۱)

(۱) تفصیل کے لیے امام خمینی کی مذکورہ کتابیں (۱/۳۹-۴۲)، طبع مطبعۃ الآداب، نجف۔

دیکھئے! امام خمینی کس صراحت سے فرمارہے ہیں کہ اس وقت خمس کا مال بہت زیادہ ہے، جب کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب حوزہ میں امام خمینی کا محاضرہ ہورہا تھا، اب آپ سوچیے! ہر شخص کی تجارت کا پانچواں حصہ آج کس قدر ہوگا؟

آپ نے صاف فرمایا کہ اس زبردست بجٹ کا ایک معمولی سا حصہ بھی اہل بیت کے لیے کافی ہے! تو پھر بقیہ حصوں کا کیا کیا جائے؟!

''تو ہر حال میں اسے فقہاء اور مجتہدین پر ہی خرچ کیا جائے'' شاید امام خمینی یہی کہنا چاہ رہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام خمینی بہت رئیس شخص تھے، عراق کے زمانۂ قیام میں ان کے پاس دولت کے انبار تھے، حتی کہ جب انھوں نے فرانس میں قیام کا ارادہ کیا تو اپنا سرمایہ عراقی دینار سے امریکی ڈالر میں تبدیل (Convert) کرایا اور پیرس کے بینکوں میں ایکسچینج (Exchange) کے زبردست منافع کے ساتھ خزانوں پر خزانے جمع کیے۔

انسان کی بربادی کے دو راستے

انسان میں بگاڑ و فساد دو راستوں سے آتا ہے: جنس اور مال، اور یہ دونوں چیزیں ہمارے علماء کو میسر ہیں۔ متعہ کے حوالے سے اگلی اور پچھلی شرمگاہیں۔ خمس اور نذرانوں کے نام پر سیم و زر کے انبار!!

اب کون ہوگا جو ان پیش کشوں کو ٹھکرائے اور ان کے آگے پہاڑ بن کر ڈٹ جائے؟! بالخصوص جب یہ بات بھی واضح ہوچکی ہو کہ اس نے اس راستہ کا انتخاب اور اپنے سر پر دستار فضیلت رکھی ہی اس لیے ہے کہ جنسی آسودگی، اور دولت خمس کے ذریعے سے اپنی شکم پروری کا سامان کرے!

مجتہدین کے مابین مقابلہ آرائی

حصول خمس کی دوڑ میں علماء شیعہ اور مجتہدین کے درمیان زبردست مقابلہ آرائی بھی شروع ہوچکی ہے، خمس کا اوسط گھٹانے میں ہر ایک پیش پیش ہے، ہر کوئی ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتا ہے تاکہ دوسرے کے مقابلہ میں لوگ اس کے پاس زیادہ آئیں اور اسے مال اینٹھنے کے خوب مواقع مل سکیں، اس کے لیے نت نئے شیطانی ہتھکنڈے اور فریب سے بھرپور چالیں بھی اختیار کی جارہی ہیں۔

ایک شخص سید سیستانی کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ حضرت! مجھ پر پانچ ملین کا حق خمس بنتا ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ اس کا آدھا (یعنی ڈھائی ملین) ادا کرکے چھٹی پاؤں، اس پر حضرت سیستانی نے فرمایا: لاؤ ڈھائی ملین۔ اس نے دے دیا، تو آپ نے اسے ہاتھوں میں لےکر ارشاد فرمایا: یہ میں نے تمھیں ہبہ کردیا (یعنی وہ رقم اسے واپس کردی) پھر سید سیستانی نے فرمایا: دوبارہ دو۔ اس نے دوبارہ دیا تو فرمایا: اب مجموعی طور پر تمہاری طرف سے دی گئی رقم پانچ ملین ہوگئی، جاؤ، اب تم ذمہ سے بری ہو۔

دوسرے علماء نے جب یہ دیکھا تو وہ بھی خمس کا اوسط کم کرنے پر تل گئے اور اسی طریقے کو استعمال کرنے لگے بلکہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے دوسرے طریقے بھی ایجاد کیے گئے، اس طرح خمس کے حصول کے لیے علماء کے مابین ایک ''شریفانہ مقابلہ'' کی شکل بن گئی۔ خمس کا اوسط کم سے کم تر ہوتا گیا اور دولت مند طبقہ اسی فراق میں رہنے لگا کہ کون سب سے کم اوسط (Percentage) پر راضی ہورہا ہے، جس کے پاس جاکر اس فریضہ سے سبکدوشی ہوسکے۔

جب حوزہ کے سرپرست نے حصول خمس کے لیے مقابلہ کی گرم بازاری اور

خمس کی مقدار کم سے کم تر ہوتی دیکھی تو انھیں بے حد تشویش ہوئی اور دوسرے ہی لمحہ انھوں نے فتویٰ صادر کیا کہ سادات علماء میں سے ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں خمس سونپنا جائز نہیں، بلکہ چند مخصوص شخصیات ہی کے حوالے کیا جائے، اور خود انھیں اور مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ان کے ''جانشینوں'' کا اس میں سب سے بڑا حصہ ہونا چاہیے۔

عراق کی موجودہ کرنسی کی خستہ حالی کے پیش نظر ان ذخیروں کو اینٹھنے کے بعد سرپرست حوزہ انھیں سونے کی شکل میں تبدیل (Convert) کردیتے ہیں، اس طرح وہ آج سونے سے بھرپور دو کمروں کے مالک ہیں! اور حضرت کے علم کے بغیر جو آپ کے جانشینوں کی جیب میں چلا جاتا ہے اس کا کوئی حساب نہیں!

امیر المومنین کا ارشاد اور ہمارے علماء کا طرز عمل

امیر المومنین (علیہ السلام) نے ارشاد فرمایا تھا: ''خوش خبری ہو ان لوگوں کے لیے جو دنیا سے بے رغبت ہیں، جن کی دلچسپیاں آخرت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے زمین کو فرش بنایا، مٹی کو بستر بنایا، پانی کو خوشبو بنایا، قرآن کو سینہ سے لگایا، دعا کو حرز جاں بنایا، پھر دنیا اس حال میں گزاری جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گزاری تھی۔ شب کے انھیں لمحات کے بارے میں حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ یہی وہ لمحے ہیں جن میں بندہ کی ہر دعا شرف قبول سے باریاب ہوتی ہے، الا یہ کہ وہ بندہ لوگوں سے ''عشر'' لینے والا یا کاہن یا داروغہ نہ ہو''۔ (۱)

ایک طرف امیر المومنین کا یہ فرمان ملاحظہ کیجیے اور دوسری طرف ہمارے سرپرستوں کی زندگیاں دیکھیے اور پھر دونوں کے درمیان موازنہ کر کے آپ خود

(۱) نہج البلاغۃ: ۴/۲۴۔

ہی فیصلہ کیجیے!

ع ....ببیں تفاوت رہ از کجا تا کجاست

ہمارے آج کے فقہاء و مجتہدین کی مجلسوں میں آپ کو اس طرح کی باتوں کی ہلکی سی صدا بھی سنائی نہیں دے گی! جس خوش عیشی و سرمستی بلکہ خرمستی کی زندگی یہ گزار رہے ہیں اسنے انہیں امیر المومنین (علیہ السلام) کی پاکیزہ و زاہدانہ زندگی سے غافل کر رکھا ہے، اور ان کی نگاہوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ آپ کے اس ارشاد پر غور کریں اور اسے اپنی زندگیوں میں نافذ کریں!

آپ کے ارشاد کے مطابق جب ''عشر'' (دسواں حصہ) لینے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی تو پھر ''خمس'' (پانچواں حصہ) لینے والا کس شمار میں؟ خمس لینے والے کی تو بدرجۂ اولیٰ دعائیں قبول نہیں ہوتیں، اس کے لیے عشر لینے والے کے مقابلہ میں خمس لینے والے کا جرم بڑا ہے، کیوں کہ یہ اس سے دوگنا لے رہا ہے۔ بس اللہ ہی حفاظت فرمائے!!

خلاصۂ کلام

اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد قارئین کو اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ خمس پر فقہاء و مجتہدین میں سے کسی کا حق نہیں۔ اس وضاحت کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی وضاحت کردی جائے کہ وہ علماء جو خود کو دینی مرجع کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور اپنا انتساب اہل بیت کی طرف کرتے ہوئے امام کاظم تک اپنا شجرۂ نسب پڑھ کر سنا بھی دیتے ہیں، ان کی باتیں بالکل بے بنیاد ہیں۔ عراق، ایران، سوریہ، لبنان، ہندو پاک اور خلیجی ملکوں میں بسنے والے علماء و فقہاء کی ایک زبردست بھیڑ ہے، اور اس بھیڑ کا اہل بیت میں سے ہونا بالکل ناممکن اور محال ہے، صرف عراق کے فقہاء ہی کو شمار

کریں تو ان کی تعداد اس حد تک ہے کہ ان کا اہل بیت میں سے ہونا ناممکن ہے، چہ جائیکہ دوسرے ممالک کے فقہاء و مجتہدین کو بھی شمار کرلیں جن کی تعداد یقیناً لاکھوں سے متجاوز ہے۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ یہ سب کے سب اہل بیت ہوں؟ اس کے علاوہ یہ بھی یاد رہے کہ حوزہ میں شجرہائے نسب کا سودا ہوتا ہے، حسب ونسب بکتے ہیں، اہل بیت کی عالی نسبی جسے چاہیے ہوتی ہے تو اسے بجز اس کے اور کچھ نہیں کرنا پڑتا کہ وہ اپنی بہن یا اپنی بیوی کو (اگر وہ خوبصورت ہوتو) متعہ کے لیے کسی سید (یعنی شیعہ عالم) کی بوالہوسی کے حوالے کردے، یا پھر دوسری شکل یہ کہ مال کا ایک بڑا ذخیرہ اس کی خدمت میں نذرانہ کے طور پر پیش کردے، ان ہر دو طریقوں سے عالی نسبی کا پروانہ مل جاتا ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، حوزہ میں یہ سب باتیں مشہور ومعروف ہیں۔

اسی وجہ سے کہتا ہوں: خوب کان کھول کر سن لو! کسی کتاب کے شروع میں سادات اور مؤلفین کا شجرۂ نسب دیکھ کر کبھی دھوکہ نہ کھانا! یہ سب ہوتا ہے! پہلے صفحہ پر مؤلف اپنا شاندار شجرۂ نسب دکھا دیتا ہے تاکہ بے چارے سادہ لوح عوام اس کے جھانسے میں آجائیں اور وہ اپنی کمائی کا خمس اس کی خدمت میں پیش کرنے کی ''سعادت'' حاصل کرلیں۔

اس بحث کے اختتام پر مجھے اپنے فاضل دوست احمد صافی نجفی کی باتیں یاد آرہی ہیں، جو کہ مناظرہ میں بے مثال اور شعر وشاعری میں طاق تھے، ان سے میری شناسائی اس وقت سے ہے جب مجھے اجتہاد کی ڈگری ملی تھی، وہ مجھ سے عمر میں تیس سال بلکہ اس سے زیادہ ہی بڑے تھے، مگر عمر کے اس تفاوت کے باوجود ہم دونوں میں بڑی بے تکلفی تھی، وہ مجھ سے کہا کرتے تھے: بیٹے حسین! اپنے دامن کو کبھی خمس کی گندگی سے آلودہ نہ کرنا، یہ سراسر حرام خوری ہے۔ اس موضوع پر وہ مجھ سے بحث بھی کرتے، بالآخر اس کی حرمت کے متعلق انھوں نے مجھے مطمئن اور

منشرح کردیا۔ اسی مناسبت سے ان کے کچھ اشعار بھی ہیں، جو انھوں نے اس وقت مجھے پڑھ کر سنائے بھی تھے، یہ اشعار آج بھی میری ڈائری میں محفوظ ہیں، آیئے! میرے ساتھ آپ بھی پڑھیے:

عجبت لقوم شحزهم باسم دينهم
وكيف يسوغ الشحز للرجل الشهم؟!

(تعجب ہے ایسے لوگوں پر جو دین کے نام پر بھیک مانگتے ہیں، اچھے خاصے شریف آدمی کے لیے بھیک مانگنا کہاں تک صحیح ہے؟!)

لئن كان تحصيل العلوم مسوغاً
لذٰلک فان الجهل خير من العلم

(اگر علم کا حصول ہی اس بھیک کی راہ ہموار کرتا ہے تو ایسے علم سے جہالت ہی بہتر ہے)

وهل كان في عهد النبي عصابةٌ
يعيشون من مال الانام بذا الاسم؟

(کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں جو اس نام سے لوگوں کے مال پر گذر بسر کرتے رہے ہوں)

لئن اوجب الله الزكوٰة فلم تكن
لتعطى بذل بل لتؤخذ بالرغم

(اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر زکوٰۃ واجب کی ہے، تو اس لیے نہیں کہ ذلت کے ساتھ اس کو دیا جائے، بلکہ اس لیے کہ نہ دینے پر بالجبر اسے لیا جائے)

اتأنا بها ابناء ساسان حرفةً
ولم تک في ابناء يعرب من قدم

(یہ پیشہ تو ساسانی ہمارے یہاں لائے ہیں فرزندان عرب کا کبھی یہ شیوہ نہیں رہا ہے)

☆☆☆☆☆

آسمانی کتابیں

اس میں کسی مسلمان کو ادنیٰ شک نہیں کہ قرآن کریم ہی وہ آسمانی کتاب ہے جو پیغمبر اسلام محمد بن عبداللہ (علیہ السلام) پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی، لیکن اپنے یہاں کی معتبر اور مستند کتابوں کے پیہم مطالعہ نے مجھے قرآن مجید کے علاوہ بعض ایسی کتابوں سے واقف کرایا جن کے متعلق فقہائے شیعہ کا دعویٰ ہے کہ یہ کتابیں بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں، اور ان کے متعلق آپ نے صرف امیر المومنین (علیہ السلام) ہی کو بتلایا تھا، وہ کتابیں حسب ذیل ہیں:

(۱) الجامعة

ابوبصیر، ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: "میں محمد ہوں، ہمارے پاس "الجامعة" ہے، لوگوں کو کیا معلوم کہ "الجامعة" کیا ہے؟!

فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ "الجامعة" کیا ہے؟

فرمایا: "یہ وہ صحیفہ ہے جس کی لمبائی اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

ہاتھ سے ستر گز ہے، اس کا خود آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زبان مبارک سے املا کرایا اور حضرت علی نے اپنے ہاتھوں سے اس کو قلم بند کیا، اس میں حرام وحلال کی تفصیلات، اور لوگوں کو پیش آنے والے چھوٹے بڑے جملہ مسائل کی وضاحت ہے، حتی کہ خراش لگنے پر دیت سے متعلق بھی صراحت موجود ہے"۔(۱)

اس طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں جو "الکافی" "البحار" "بصائر الدرجات" اور "وسائل الشیعة" کے صفحات میں بکھری پڑی ہیں، ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف ایک ہی روایت پر اکتفا کرنا مناسب سمجھا۔

میں نہیں جانتا کہ "جامعہ" کی کوئی حقیقت بھی ہے؟ اور اس کے اندر قیامت تک پیش آنے والے مسئلہ کا حل بھی ہے یا نہیں؟ اگر ایسا ہے تو اس کو پردہ میں کیوں رکھا گیا؟ اور ہمیں اس کتاب سے اور اس میں موجود حلال وحرام کے مسائل اور ان دینی احکام سے جن کی لوگوں کو قیامت تک ضرورت پیش آئے گی محروم کیوں کر دیا گیا؟ کیا یہ کتمان علم نہیں ہے؟!

(۲) صحیفة الناموس

امام قائم سے متعلق علامات والی حدیث میں رضا (علیہ السلام) کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ کہتے ہیں: "اور اس کے پاس ایک صحیفہ ہوگا جس میں قیامت تک آنے والے شیعوں کے اسماء ہوں گے، اور دوسرے صحیفہ میں قیامت تک آنے والے دشمنان شیعہ کے نام درج ہوں گے"۔(۲)

میں پوچھتا ہوں کہ یہ کیسا صحیفہ ہے جس میں قیامت تک آنے والے سبھی شیعہ حضرات کے نام سما سکتے ہیں؟!

---

(۱) الکافی: ۱/۲۳۹۔ بحار الانوار: ۲۶/۲۲۔ (۲) بحار الانوار: ۲۵/۱۱۷۔ نیز جلد ۲۶، جس میں اس موضوع کی دیگر روایات ہیں۔

اگر ہم آج صرف عراقی شیعوں کے نام کسی رجسٹر میں درج کرنا چاہیں تو یقیناً اس کے لیے کم از کم سو جلدیں درکار ہوں گی۔

اگر ایران، ہندوستان، پاکستان، سوریہ، لبنان اور خلیجی اور غیر خلیجی ممالک کے شیعوں کے بھی نام شمار کرنے لگیں تو کیا ہوگا؟!

شیعیت کے ظہور سے لے کر آج تک وفات پانے والے تمام شیعوں کے ہی نام لکھنے بیٹھیں تو نہ جانے کتنے صفحات سیاہ ہو جائیں!

تو پھر غور کیجیے کہ قیامت تک آنے والے شیعوں کے ناموں کے لیے کتنے دفتر چاہیے ہوں گے؟ اور پھر اس صحیفہ کے ظہور سے لے کر قیامت تک آنے والے ان کے دشمنوں کے ناموں کے لیے کتنی جلدوں کی ضرورت پڑے گی؟

اگر سات سمند بھی روشنائی میں تبدیل ہو جائیں تب بھی ناموں کی اس بھاری بھرکم تعداد کو قید تحریر میں لانے کے لیے ناکافی ہوں گے۔ بلکہ جدید تکنیک سے لیس جملہ کمپیوٹر اور روبوٹ بھی اکٹھا کر لیے جائیں تب بھی ناموں کی اس وہمی وخیالی تعداد کا احاطہ ممکن نہیں۔

جب عوام الناس کی عقلیں ان جیسی روایات کو قبول نہیں کر سکتیں تو ”دانشوران قوم“ کیسے قبول کر سکتے ہیں؟!

یہ بات کیسے ممکن ہو سکتی ہے کہ ائمہ (علیہم السلام) ایسی باتیں کہیں جو عقل و منطق کی کسوٹی پر کھری نہ اترتی ہوں۔ اگر ان باتوں کا علم اسلام دشمنوں کو ہو گیا تو وہ نہ جانے کیسے کیسے جملے کسیں گے، کیسے کیسے الزامات لگائیں گے، اور اسلام کے بارے میں کیا کچھ نہیں کہیں گے؟! اس طرح انھیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا خوب موقع ہاتھ آجائے گا۔ **لاحول ولا قوة الا بالله !!!**

(۳) صحیفة العبیطة

امیر المومنین (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”خدا کی قسم!

میرے پاس بہت سے ایسے صحیفے ہیں جو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل بیت نے خاص مجھ ہی کو عنایت کیے تھے، ان میں سے ایک کا نام ”العبیطة“ ہے، اہل عرب کے لیے اس سے سخت کوئی صحیفہ نہیں، اس میں عرب کے ایسے ستر باطل قبیلوں کا تذکرہ ہے جن کا اللہ کے دین میں کوئی حصہ نہیں“۔(۱)

یہ روایت نہ عقلاً درست ہے اور نہ نقلاً ہی، کیوں کہ جب قبائل کی اتنی بڑی تعداد کا اللہ کے دین میں کوئی حصہ ہی نہیں تو پھر کوئی ایسا مسلمان نہیں بچا جس کی اللہ کے دین میں کوئی جگہ ہو! اس کے علاوہ اس سنگین حکم کے ساتھ عرب قبائل کے تذکرہ سے قبائلی وعلاقائی عصبیت کی بو بھی آتی ہے۔ اس کی وضاحت آئندہ فصل میں کی جائے گی۔

(۴) صحیفة ذؤابة السیف

ابوبصیر سے مروی ہے: ”وہ ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلوار کے دستہ میں ایک چھوٹا سا صحیفہ تھا جس میں ایسے حروف ہیں جن میں سے ہر ایک حرف سے ہزار حروف پھوٹتے ہیں“۔

ابوبصیر کہتے ہیں: ”ابو عبداللہ نے فرمایا کہ ان میں سے اب تک صرف دو ہی حرف نکلے ہیں“۔(۲)

اب میں پوچھتا ہوں کہ آخر بقیہ حروف کہاں گئے؟ کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ انھیں نکال کر کم از کم اہل بیت ہی کو ان سے استفادہ کے مواقع دیے جاتے؟ کیا یہ حروف قیامت تک پردے ہی میں رہیں گے؟!

(۵) صحیفة علی

یہ دوسرا صحیفہ ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلوار کے دستہ میں پایا گیا۔

---

(۱) بحار الانوار: ۲۶/۳۷۔ (۲) بحار الانوار: ۲۶/۵۶۔

ابوعبداللہ (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلوار کے دستہ میں ایک صحیفہ پایا گیا جس میں درج ذیل سطریں تحریر تھیں:

"بسم الله الرحمن الرحيم، قیامت کے دن اللہ کے دربار میں سب سے بڑا سرکش وہ شخص گردانا جائے گا جس نے ایسے شخص کو قتل کیا جس نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا، اور اس کو مارا جس نے اس کو مارنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور جس نے ایسے شخص کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جو اس کا اہل نہیں تھا تو اس نے گویا شریعت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر کیا، اور جس نے کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کی توبہ قبول کریں گے اور نہ اس کا فدیہ"۔(۱)

(۶) الجفر

اس کی دو قسمیں ہیں: جفر ابیض. جفر احمر.

ابوالعلاء، ابوعبداللہ (علیہ السلام) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: "میرے پاس "جفر ابیض" ہے"۔

میں نے پوچھا: "اس میں کیا چیز ہے؟"

جواب میں آپ نے فرمایا: "اس میں داؤدؑ کی زبور، موسیٰؑ کی توریت، عیسیٰؑ کی انجیل، ابراہیمؑ کے صحیفے اور حرام وحلال کی تفصیلات ہیں۔ اور میرے پاس "جفر احمر" بھی ہے"۔

میں نے پوچھا: "اور جفر احمر میں کیا ہے؟"

فرمایا: "ہتھیار ہے، جو صرف خون بہانے کے لیے نکالا جائے گا، صاحب تلوار اسے قتل وخونریزی کے لیے نکالے گا"۔

(۱) بحار الانوار: ۶۵۱_۱۰۴_۳۷۵/۔

عبداللہ ابن ابی یعفور نے ان سے کہا: "اللہ آپ کو سلامت رکھے، کیا حسن (علیہ السلام) کی اولاد کو اس کا علم ہے؟" فرمانے لگے: بالکل ہے! بخدا جس طرح وہ رات اور دن کو پہچانتے ہیں اسی طرح وہ اس سے بھی واقف ہیں، لیکن حسد اور دنیا کی چاہ نے انھیں منکر وسرکش بنا رکھا ہے، کیا ہی بہتر ہوتا کہ وہ حق کو حق کے راستہ سے طلب کرتے!"(۱)

میں نے امام خوئی سے "جفر احمر" کے متعلق دریافت کیا کہ کون اس کو کھولے گا اور کس کا خون بہایا جائے گا؟

انھوں نے جواب دیا:

"يفتحه صاحب الزمان عجل الله فرجه، ويريق به دماء العامة النواصب (اهل السنة) فيمزقهم شذر مذر، ويجعل دماء هم تجرى كدجلة والفرات، ولينتقمن من صنمى قريش (يقصد ابا بكر وعمر) وابنتيهما (يقصد عائشة وحفصة) ومن نعتل (يقصد عثمان) ومن بنى أمية والعباس فينبش قبورهم نبشاً".

(صاحب زمانہ اس کو کھولیں گے (اللہ تعالیٰ وہ دن جلد دکھائے) وہ ناصبیوں یعنی اہل سنت کا خون بہائیں گے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے، اور ان کا خون دجلہ وفرات کے پانی کی طرح بہائیں گے، اور قریش کے دونوں بتوں (یعنی ابوبکر وعمر) اور ان کی دونوں لڑکیوں (یعنی عائشہ وحفصہ) اور جس شخص سے ہمیں چڑ ہے یعنی عثمان، اور بنوامیہ وبنوعباس سے زبردست انتقام لیں گے، اور ان کی قبریں بری طرح کھود ڈالیں گے)

میں سمجھتا ہوں کہ امام خوئی اپنی اس بات میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں، کیوں کہ اہل بیت علیہم السلام کی شان یہ نہیں کہ وہ کسی مردے کی قبر کھودیں اور وہ بھی جسے

(۱) اصول الکافی: ۱/۲۴۔

مرے ہوئے صدیاں بیت چکیں ہوں!

ائمہ علیہم السلام کا حال تو یہ تھا کہ وہ برائی کا بدلہ اچھائی اور عفو ودرگزر سے دیا کرتے تھے، پھر ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی آتش انتقام کو بجھانے کے لیے مردوں کی قبر کھودیں، اور ان پر حد نافذ کریں، حالاں کہ میت پر حد جاری نہیں کی جاتی!! اور اہل بیت کا شیوہ تو نرم مزاجی، عفو ودرگزر اور حسن اخلاق تھا۔

(۷) مصحف فاطمہ

(الف) علی ابن سعید ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے روایت کرتے ہیں: انھوں نے فرمایا: "..ہمارے پاس مصحفِ فاطمہ ہے، جس میں کتاب اللہ کی کوئی آیت نہیں ہے، یہ وہ صحیفہ ہے جسے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے املا کرایا اور حضرت علی نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے"۔(۱)

(ب) محمد بن مسلم حضرات حسنین میں سے کسی سے روایت کرتے ہیں: "...اور حضرت فاطمہ نے ایک مصحف چھوڑا ہے جو قرآن تو نہیں ہے، لیکن وہ اللہ کا ہی کلام ہے جو فاطمہ (علیہا السلام) پر نازل ہوا ہے، اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا املا کرایا ہوا اور حضرت علی کا لکھا ہوا ہے"۔(۲)

(ج) علی ابن اَبی حمزہ ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے نقل کرتے ہیں: ".... ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے، خدا کی قسم! اس میں قرآن کا تو ایک حرف بھی نہیں، مگر ہاں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو لکھوایا ہے اور حضرت علی نے لکھا ہے"۔(۳)

سوال یہ ہے کہ جب وہ کتاب اللہ کے رسول کی املا کرائی ہوئی اور حضرت علی کے دست مبارک سے لکھی ہوئی ہے تو آپ نے اسے پردۂ خفا میں کیوں رکھا اور

(۱) بحار الانوار:۲۶/۴۱۔ (۲) البحار:۲۶/۴۲۔ (۳) البحار:۲۶/۴۸۔

امت سے کیوں چھپایا؟ جب کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا تھا کہ جو کچھ بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا جائے اس کو من وعن دوسروں تک پہنچا دیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته". (المائدة:۶۷)

(ترجمہ: اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر جو کچھ بھی نازل کیا گیا اس کو دوسروں تک پہنچا دیجیے، اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو گویا آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا)

ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قرآن کو تمام مسلمانوں سے چھپائے رکھیں، پھر امیر المومنین (علیہ السلام) اور آپ کے بعد ائمہ کے لیے بھی یہ کہاں تک درست تھا کہ وہ اس کو اپنے شیعوں اور اپنے ہمنواؤں سے بھی پوشیدہ رکھیں؟!

(۸) توریت، انجیل اور زبور

ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے مروی ہے کہ وہ انجیل، توراۃ اور زبور سریانی زبان میں پڑھا کرتے تھے۔(۱)

(۹) القرآن

قرآن کریم کے ثبوت کے لیے کسی طرح کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن ہماری فقہی کتابوں اور تقریباً سبھی مجتہدین کے اقوال وفتاویٰ میں اس کی

(۱) الحجة من الکافی:۱/۲۰۷۔ باب: "ان الائمة علیهم السلام عندهم جمیع الکتب التی نزلت من الله عز وجل . وانهم یعرفونها کلها علی اختلاف السنتها" (ائمہ علیہم السلام کے پاس اللہ کی طرف سے نازل شدہ تمام کتابیں موجود تھیں، اور وہ زبانوں کے اختلاف کے باوجود سب کا علم رکھتے تھے)

صراحت ملتی ہے کہ قرآن کریم تحریف شدہ ہے، اور تمام آسمانی کتابوں میں تنہا یہی وہ کتاب ہے جو تحریف کا شکار ہوئی۔ محدث نوری طبرسی نے قرآن کریم کو محرف ثابت کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے: "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" جس میں انھوں نے تحریف پر دلالت کرنے والی تقریباً دو ہزار روایات جمع کی ہیں، ساتھ ہی تمام فقہاء و علماء شیعہ کے وہ اقوال بھی ذکر کیے ہیں جن میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان پایا جانے والا موجودہ قرآن تحریف شدہ ہے، نیز انھوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ تمام فقہائے شیعہ چاہے متقدمین ہوں یا متاخرین سب کا ایک ہی مسلک و فتویٰ ہے کہ "موجودہ قرآن تحریف شدہ ہے"۔

سید ابوالحسن عاملی لکھتے ہیں: "روایات کی تلاش و جستجو کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قرآن کے تحریف شدہ ہونے کے قول کو شیعہ مذہب کی بنیاد اور اس کی مبادیات میں شامل کیا جانا چاہیے۔ اور یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ غصب خلافت کا ایک بڑا مقصد تھا"۔ (۱)

سید نعمۃ اللہ جزائری نے قائلین عدم تحریف کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن متواتر وحی الٰہی ہے، اور یہ پورا کا پورا وہی قرآن ہے جو جبرئیل امین لے کر آئے تھے، اس بات کو تسلیم کرنے کا لازمی نتیجہ ان مشہور و معروف احادیث کا انکار ہے، جن احادیث کی صحت و صداقت پر جملہ محدثین شیعہ کا اتفاق ہے۔ (۲)

چنانچہ جابر، ابو جعفر سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: "جو شخص بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے قرآن کے سارے حصوں کو جمع کیا ہے وہ شخص پکا جھوٹا ہے، کیوں کہ جس شکل میں قرآن نازل ہوا ہے اسی شکل میں اس کو جمع کرنے والے اور پھر اس کو حفظ کرنے والے حضرت علی تھے اور پھر ان کے بعد ائمہ کرام، نہ کہ دوسرا کوئی اور"۔ (۳)

(۱) مقدمة البرهان، الفصل الرابع: صفحہ ۴۹۔ (۲) الانوار النعمانية: ۲/۳۵۷۔ (۳) الحجة من الكافی: ۱/۲۶۔

مسلمانوں کے موجودہ قرآن کو تحریف شدہ ثابت کرنے کے لیے اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ حقیقی قرآن تو صرف وہی ہے جو حضرت علی اور آپ کے بعد ائمہ کے پاس رہا اور پھر امام غائب کے پاس پہنچا۔ مذکورہ بالا حوالہ سے بڑھ کر کسی اور حوالہ کی ضرورت نہیں۔

اسی لیے امام خوئی نے بستر مرگ پر ہمارے حوزہ کے تدریسی عملہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: "جب تک قرآن فاطمہ کا ظہور نہ ہو اسی قرآن کو تھامے رہنا"۔

اور "قرآن فاطمہ" سے امام صاحب کی مراد وہی قرآن ہے جس کو حضرت علیؑ نے جمع کیا تھا اور جس کی طرف گذشتہ سطروں میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

کیا ہی بوالعجبی ہے کہ یہ ساری کتابیں اللہ کی طرف سے نازل ہوں، اور امیر المومنین (علیہ السلام) اور ان کے بعد ائمہ کے ساتھ خاص رہیں، مگر ان کو امت مسلمہ سے، اور خاص کر شیعان اہل بیت سے بھی مخفی رکھا جائے!! لے دے کر بے چارہ ایک قرآن ہی سب کو ملا تھا جسے (ہمارے فقہاء کے بقول) مختلف ہاتھوں نے تختۂ مشق بنایا، اور جس کے دل میں جو آیا بڑھا دیا اور جب دل چاہا گھٹا دیا!!

اگر واقعی یہ کتابیں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں، اور امیر المومنین (علیہ السلام) نے ہی ان کو حاصل کیا تھا تو امت سے چھپانے کا کیا تک؟ جب کہ امت اپنی زندگی میں اور اپنے پروردگار کی عبادت کے لیے ان کتابوں کی بے حد محتاج ہے!

ہمارے بہت سے فقہاء نے اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ دشمنوں کے خوف سے ایسا کیا گیا۔

تو ہمیں یہ پوچھنے کا حق ہے کہ کیا امیر المومنین (علیہ السلام) اور بنو ہاشم کے سورما اتنے بزدل تھے کہ اس کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے تھے؟! اور کیا محض دشمن کے ڈر کو بنیاد بنا کر اسے چھپایا جائے گا اور امت کو اس سے محروم رکھا جائے گا؟!

ہرگز نہیں! اس ذات پاک کی قسم جس نے آسمانوں کو بغیر سہاروں کے بلند کیا،

ابن ابی طالب کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور سے خوف کھائیں!

ہم یہ بھی پوچھنا چاہتے ہیں کہ امیر المومنین (علیہ السلام) اور ان کے بعد ائمہ کرام زبور، توریت اور انجیل کا کیا کرتے تھے؟ کیا وہ آپس میں ان کا تبادلہ کرتے تھے اور لوگوں سے چھپا کر پڑھا کرتے تھے؟!

جب ان نصوص میں اس بات کا دعویٰ کیا گیا کہ صرف امیر المومنین (علیہ السلام) ہی کے پاس مکمل قرآن مجید تھا اور آپ کے ساتھ دیگر خاص کتابیں اور صحیفے بھی تھے تو پھر آپ کو زبور، توریت اور انجیل کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اور جب کہ ہم سب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ نزول قرآن کے ساتھ ہی یہ ساری کتابیں منسوخ قرار دی جا چکی ہیں۔

مجھے اس کے اندر کچھ ناپاک ہاتھوں کی کارستانی نظر آرہی ہے، یہ وہی ہاتھ ہیں جنھوں نے روایتوں میں زہر داخل کیا اور ائمہ کرام پر افتراء پردازی اور بہتان تراشی کی۔ (انشاء اللہ آگے اس موضوع پر مستقل بحث کی جائے گی)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے پاس صرف اور صرف ایک کتاب ہے، اور وہ ہے قرآن کریم۔ اور متعدد کتابوں کی بات کہنا تو یہودیوں اور عیسائیوں کا شیوہ رہا ہے جیسا کہ ان کی مقدس کتابوں سے واضح ہوتا ہے۔

پس یہ کہنا کہ امیر المومنین کے پاس بہت سی کتابیں تھیں، اور یہ تمام کی تمام کتابیں اللہ رب العزت کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، اور ان میں بہت سے شرعی مسائل کی تفصیلات ہیں، بالکل باطل اور بے بنیاد ہے، جس کو دین میں داخل کرنے کا کام ان یہودیوں کا ہے جو شیعیت کا چوغہ اوڑھے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆

اہل سنت سے متعلق شیعوں کے نظریات

ہماری معتبر کتابوں اور فقہاء و مجتہدین کے اقوال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شیعوں کے صرف ایک دشمن ہیں اور وہ ہیں اہل سنت۔ اسی لیے وہ انھیں مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں، جیسے ''عوام اور نواصب''۔ ہر شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اہل سنت میں سے ہر فرد کے ''دبر'' (پچھلے مقام) میں ایک نشان ہے، چنانچہ جب وہ آپس میں کسی کو گالی دیتے ہیں اور وہ بھی گھناؤنی، تو کہتے ہیں: ''عظم سنی فی قبر أبیک'' (تیرے باپ کی قبر میں سنی کی ہڈی) اس لیے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ سنی نجس ہوتا ہے، اس کو ہزار بار بھی غسل دو تب بھی وہ پاک نہیں ہو سکتا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ کسی بازار میں میرے والد مرحوم کی ایک اجنبی شخص سے ملاقات ہوئی، میرے والد خیر کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش تھے، چنانچہ اسے مہمان بنا کر ہمارے گھر لے آئے، وہ رات اس نے ہمارے یہاں بتائی، جو کچھ اللہ کا دیا ہوا میسر تھا اس سے اس کی ضیافت کی گئی، رات کو ہم آپس میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے (اس وقت میں حوزہ میں ابتدائی درجات کا طالب علم تھا) دوران گفتگو اندازہ ہوا کہ وہ شخص سنی ہے، سامرہ کے کسی علاقہ کا ہے اور کسی

ضرورت کے تحت نجف آنا ہوا ہے۔ اس نے سکون سے رات گزاری، صبح کو ناشتہ کیا اور واپسی کے لیے تیار ہوا، میرے والد نے اس کو راستہ کی ضرورت کے پیش نظر کچھ رقم بھی دے دی۔ وہ شخص ہماری حسن ضیافت کا بہت مشکور ہوا۔ جب وہ رخصت ہوگیا تو میرے والد نے حکم دیا کہ جس بستر پر وہ سویا تھا اس کو جلا دو، اور جس برتن کو اس نے استعمال کیا ہے اس کو خوب اچھی طرح پاک کرو، اس لیے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ سنی نجس ہوتے ہیں۔ اور یہ صرف ان کا ہی نہیں بلکہ تمام اہل تشیع کا عقیدہ ہے، اسی لیے کہ ہمارے فقہاء ان کو کافر، مشرک اور خنزیر کے درجہ میں رکھ کر نجس عین تک کہتے ہیں۔

سنیوں سے نفرت کے درج ذیل نتائج نکلے:

(۱) سنیوں کی مخالفت واجب ہے

چنانچہ شیخ صدوق، علی ابن اسباط سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رضا (علیہ السلام) سے کہا کہ کبھی کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا ہے کہ میرے لیے اس کا حل جاننا ضروری ہو جاتا ہے، اور شہر میں آپ کے متعلقین میں ایسا کوئی نظر نہیں آتا جس سے میں مسئلہ کا حل دریافت کرسکوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ اپنے شہر کے (سنی) فقیہ کے پاس جا کر مسئلہ کا حل دریافت کرلیا کرو، پھر وہ جو بھی فتویٰ دے اس کے برخلاف کرنا، کیوں کہ اسی میں حق ہے۔ (۱)

حسین ابن خالد، رضا (علیہ السلام) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”ہمارے شیعہ (ہم نوا) وہ ہیں جو ہمارے حکم کو تسلیم کرتے ہیں، ہماری باتوں کو اختیار کرتے ہیں، ہمارے دشمنوں کی مخالفت کرتے ہیں، جو ایسا نہ کرے اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں“۔ (۲)

(۱) عیون اخبار الرضا: ۱/۲۷۵۔ط۔تہران۔ (۲) الفصول المهمة: ۲۲۵۔ط۔قم۔

مفضل ابن عمر، جعفر (علیہ السلام) سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: جھوٹا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا تعلق ہمارے شیعوں سے ہے لیکن وہ کسی اور کے دامن سے وابستہ ہے۔ (۱)

(۲) سنیوں کے خلاف کام کرنا ضروری ہے

”عوام“ (یعنی سنیوں) کی باتوں پر اوران کے طریقہ پر عمل کرنا جائز نہیں“۔

یہ عنوان حر عاملی نے اپنی کتاب ”وسائل الشیعة“ میں قائم کیا ہے۔ اور دعویٰ کیا ہے کہ اس سلسلہ میں بکثرت روایتیں موجود ہیں، انھی میں امام صادق (علیہ السلام) کا یہ قول بھی ہے کہ دو حدیثوں میں اگر تعارض ہو تو ان کو ”عوام“ (یعنی اہل سنت) کی احادیث کے سامنے رکھو، اور جو روایت ان کی روایتوں سے ملتی ہو اس کو ترک کردو، اور جو روایت ان کی روایتوں سے ٹکراتی ہو اس کو اختیار کرلو۔

امام صادق (علیہ السلام) فرماتے ہیں: ”جب تمہارے سامنے دو متعارض حدیثیں ہوں تو ان میں جو حدیث ”قوم“ (یعنی اہل سنت) کے خلاف ہو اس کو اختیار کرلو“۔

نیز فرمایا: ”عوام“ کے خلاف جو بات ہو اس کو اختیار کرلو“۔ (۲)

اسی طرح فرمایا: ”عام لوگوں“ کے خلاف بات کو اختیار کرنے میں ہی بھلائی ہے۔

مزید فرمایا: خدا کی قسم! ان کے پاس جو ہے وہ تمہارے پاس نہیں، اور تمہارے پاس جو ہے وہ ان کے پاس نہیں، لہٰذا ان کی مخالفت کرو، کیوں کہ ”ملت ابراہیمی“ میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

(۱) الفصول المهمة: ۲۲۵۔ (۲) الفصول المهمة: ۳۲۵-۳۲۶۔

ایک موقع پر فرمایا: بخدا! اللہ رب العزت نے ہمارے علاوہ کسی اور کی اتباع میں کوئی خیر نہیں رکھا ہے۔ حقیقت میں وہی شخص ہمارا حامی ہے جو ہمارے دشمنوں کی مخالفت کرتا ہے، اور جو قول یا فعل میں ہمارے دشمن کی موافقت کرتا ہے نہ وہ ہمارا ہے، نہ ہم اس کے ہیں!

اللہ کا یہی نیک بندہ دو متعارض حدیثوں کے باب میں کہا کرتا تھا: جو ''قوم'' کے خلاف ہو اس کو اختیار کرلو، اور جو ''قوم'' کے مطابق ہو اس سے خود کو دور رکھو۔

امام رضا (علیہ السلام) کا ارشاد ہے: جب تمہارے سامنے دو طرح کی حدیثیں ہوں اور دونوں میں تعارض نظر آرہا ہو تو دیکھو ان میں سے کون سی حدیث ''عوام الناس'' کے خلاف ہے، تو اسی پر عمل کرلو، اور جو حدیث ان کے موافق ہو اس کو ترک کردو۔

امام صادق (علیہ السلام) سے روایت ہے: ''خدا کی قسم! بس قبلہ کی طرف رخ کرنے کے سوا ان کے پاس حق نام کی اور کوئی چیز نہیں رہ گئی ہے''۔

(۱) ان روایات پر اظہار خیال کرتے ہوئے حر عاملی فرماتے ہیں: یہ روایتیں قریب قریب متواتر ہیں۔ مگر تعجب ہے ان بعض متاخرین پر جن کا خیال ہے کہ یہاں ''خبر واحد'' (ایک ہی حدیث) سے استدلال کیا گیا ہے۔

آگے کہتے ہیں: خوب سمجھ لو کہ ان متواتر روایتوں سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ ''عوام'' کی کتابوں میں جو اصولی قواعد بیان کیے گئے ہیں ان کی کوئی بنیاد نہیں۔ (۱)

(۳) شیعہ سنی اتحاد ناممکن

سید نعمۃ اللہ جزائری کہتے ہیں: ''ہمارا اور اہل سنت کا کسی بھی بات پر اتفاق

(۱) الفصول المهمة:۳۲۶۔

نہیں ہوسکتا، نہ خدا پر، نہ رسول پر اور نہ امام ہی پر۔ کیوں کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ ان کا رب وہی ہے، جس کے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور ان کے بعد ان کے خلیفہ ابوبکر ہیں، لیکن ہم نہ اس رب کو مانتے ہیں اور نہ اس نبی کو، بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ رب جس کے نبی کے خلیفہ ابوبکر ہیں وہ رب ہمارا رب نہیں، اور وہ نبی ہمارا نبی نہیں''۔ (۱)

شیخ صدوق نے اپنی کتاب ''علل الشرائع'' میں یہ باب قائم کیا ہے ''باب نور فی حقیقة دین الامامية والعلة التی من اجلها یجب الأخذ بخلاف ماتقوله العامة'' اور فرمایا ہے کہ ابو اسحاق ارجانی سے مرفوعاً روایت ہے کہ ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے فرمایا: تمہیں معلوم بھی ہے کہ ''عوام'' کے خلاف رائے اختیار کرنے کا کیوں حکم دیا گیا ہے؟

میں نے عرض کیا: نہیں معلوم۔

آپ نے فرمایا: ''حضرت علی اللہ رب العزت کے دین کے جس طریقے کو اختیار کرتے تھے آپ کی بات کو بے حقیقت بنانے کے لیے اس کی مخالفت کرتے ہوئے ''عوام'' (یعنی اہل سنت) دوسری راہ اختیار کرتے تھے۔ وہ امیر المومنین (علیہ السلام) سے ایسے مسئلے دریافت کرتے تھے جن کا آپ کو علم نہیں ہوتا تھا۔ جب آپ ان کو ان کے سوال کا جواب دے دیتے تو وہ اس کے بالکل برخلاف کرتے تاکہ لوگوں پر

(۱) انوار الجزائرية: ۲۷۸/۲۔ سچی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے رسول ہی ہیں، اور ابوبکرؓ ساری امت کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلیفہ ہیں۔ ایسے میں سید جزائری کا یہ کہنا انتہائی خطرناک اور سنگین ہے، جس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جب ابوبکر کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خلیفہ ہونا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نبی ہونا ثابت ہوجائے تو سید جزائری نہ اس معبود پر ایمان رکھیں گے، اور نہ اس نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کو تسلیم کریں گے۔

یہ مسئلہ میں نے امام خوئی کی خدمت میں رکھا اور براہ راست کسی کا نام لیے بغیر فرضی قصہ کی شکل میں ایسے شخص کے متعلق شریعت کا حکم جاننا چاہا جو اس طرح کی بات کہتا ہو؟ تو آپ نے فتویٰ دیا: اس طرح کی بات زبان پر لانے والا شخص کافر ہے، کیوں کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول اور اہل بیت کا انکار کیا۔

معاملہ اور الجھ جائے، اور وہ شبہات میں پڑ جائیں"۔(۱)

اس بحث سے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ کسی مسئلہ میں "عوام" حق پر ہوں تو کیا پھر بھی ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان کی مخالفت کریں؟ یہی سوال میں نے سید محمد باقر الصدر سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں اس وقت بھی مخالفت کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ کسی معاملہ میں اگر چہ وہ حق پر ہوں، ان کی مخالفت کرنا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کی موافقت کر کے یہ تأثر دیا جائے کہ وہ حق پر ہیں۔

صحابہ کرام سے شیعوں کی نفرت

اہل سنت سے شیعوں کی چڑ اور نفرت نہ کوئی آج کی پیداوار ہے اور نہ آج کے اہل سنت کے ساتھ خاص ہے بلکہ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں جن کا سلسلہ قرن اول تک جا پہنچتا ہے جی ہاں! اہل سنت کے دائرے میں سوائے حضرت ابوذرؓ، مقدادؓ، اور سلمان فارسی کے تمام صحابہ آجائیں گے جن سے شیعوں کو نفرت ہے چنانچہ کلینی ابوجعفر (علیہ السلام) کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

"كان الناس هل ردة بعد النبي صلى الله عليه وسلم الاثلاثة ،المقداد بن الأسود وسلمان الفارسي وأباذر الغفاري"(۲)

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد مقدادؓ ابن اسودؓ، سلمان فارسی اور ابوذر غفاریؓ کے علاوہ سارے صحابہ مرتد ہو گئے تھے)

اگر ہم یہودیوں سے پوچھیں کہ تمہاری ملت میں افضل ترین لوگ کون ہیں؟ تو یہی جواب دیں گے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے اصحاب۔

اگر ہم نصاریٰ سے پوچھیں کہ تمہاری امت میں افضل ترین لوگ کون ہیں؟ تو

(۱) علل الشرائع:۵۳۱۔ط۔ایران۔ (۲) روضۃ الكافی:۸/۲۴۶۔

یقیناً ان کا جواب ہوگا: عیسیٰ کے حواری۔

اگر ہم اہل تشیع سے پوچھیں کہ تمہارے عقیدے اور تمہارے نظریے کے مطابق بدترین لوگ کون ہیں؟

تو وہ یہی کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رفقاء۔

شیعوں کی دشنام طرازی اور طنز و تشنیع کا دنیا میں اگر کوئی سب سے زیادہ نشانہ بنا ہے تو وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رفقاء اور ان میں بھی خاص طور پر ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ اور ازواج مطہرات عائشہ وحفصہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔

اسی لیے ان کی کتابوں میں ایک دعا ملتی ہے جس میں قریش کے دو بتوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ اے اللہ قریش کے دونوں صنم بت اور طاغوت کی دونوں طاقتوں (یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ) پر اور ان کی دونوں بیٹیوں (عائشہ اور حفصہ) پر لعنت فرما الخ یہ دعا معتبر کتابوں میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے امام خمینی کا معمول تھا کہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے۔

حمزہ ابن محمد طیار بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ابوعبداللہ (علیہ السلام) کی مجلس میں محمد ابن ابی بکر کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے، اور اپنی رحمتیں نازل کرے، ایک مرتبہ محمد ابن ابی بکر نے حضرت علی سے کہا: اپنا ہاتھ بڑھائیے کہ میں بیعت کروں۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا تم نے ابھی تک بیعت نہیں کی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! میں تو بیعت کر چکا۔ اور پھر انھوں نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا، اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ امام ہیں، اور آپ کی اطاعت فرض ہے، اور میرے والد (یعنی ابوبکرؓ) کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(۱)

شعیب، ابوعبداللہ (علیہ السلام) سے نقل کرتے ہیں کہ ہر خاندان میں کوئی نہ کوئی شریف ضرور ہوتا ہے، اور بڑے خاندان میں پیدا ہونے والے شریف ترین شخص

(۱) رجال الكشي: صفحہ/۶۱۔

کی ایک اعلیٰ وارفع مثال محمد بن ابی بکر ہیں۔ (۱)

اور اگر بات کریں حضرت عمر کی تو سید نعمۃ اللہ جزائری ان کے بارے میں یہاں تک کہتے ہیں:

"کان عمر بن الخطاب مصاباً بدأ فی دبره لا یهدأ الا بماء الرجل". (۲)

(عمر کی پچھلی شرمگاہ میں ایک بیماری تھی جس کی تکلیف سے ان کو اسی وقت سکون ملتا تھا جب مرد کا پانی اس پر ڈالا جاتا)

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا قاتل شیعوں کا ہیرو

ایران کے شہر کاشان میں "باغی فین" نامی ایک علاقہ ہے، جہاں ایک نامعلوم فوجی کی قبر ہے، جس کے متعلق لوگوں کا موہوم خیال ہے کہ حضرت عمر کے قاتل ابولوئو فیروز فارسی مجوسی کی قبر ہے، اس پر ایک عبارت کندہ ہے، جس کا مفہوم ہے "باب شجاع الدین کی خواب گاہ"۔ "باب شجاع الدین" ایک لقب ہے، جو شیعوں نے حضرت عمر کے قتل کے صلہ میں ابولولو کو عطا کیا، اس آستانہ کی دیواروں پر فارسی میں "مرگ برابوبکر، مرگ برعمر، مرگ برعثمان" تحریر ہے، جس کا مطلب ہے "ابوبکر مردہ آباد، عمر مردہ آباد، عثمان مردہ آباد"۔

یہ مزار ایرانیوں کی زیارت گاہ ہے، جہاں پر روپیوں، پیسوں کے ڈھیر لگتے ہیں اور نذرانے چڑھائے جاتے ہیں، اس مزار پر میں بھی گیا ہوں، اور یہ سارا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، ایران کی وزارت دعوت وارشاد نے اس کی توسیع اور تجدید کاری میں خاصی دلچسپی دکھائی، اور خطوط ورسائل کے لیے ایک پوسٹ کارڈ بھی جاری کیا جس پر اس مزار کی تصویر ہے۔

(۱) الکشی: صفحہ/۶۱۔ (۲) الانوار النعمانية: صفحہ/۶۳۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ (نعوذ باللہ من ذلک) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) گے Gay تھے۔ (مترجم)

کلینی، ابو جعفر (علیہ السلام) سے روایت کرتے ہیں:

"ان الشیخین ابا بکر وعمر فارقا الدنیا ولم یتوبا ولم یذکرا ما صنعا بامیر المؤمنین علیه السلام فعلیهما لعنة الله والملائکة والناس اجمعین". (۱)

(شیخین (حضرت ابوبکر وعمر) دنیا سے اس حال میں گئے کہ نہ انہوں نے توبہ کی اور نہ ہی امیر المؤمنین کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، اس پر اپنی ندامت ظاہر کی، تو ان پر لعنت ہو خدا کی، فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی)

حضرت عثمان کے بارے میں علی ابن یونس بیاضی کہتے ہیں:

"کان عثمان ممن یلعب به وکان مخنثاً". (۲)

(عثمان ایک مسخرہ تھے، اور وہ مخنث تھے)

حضرت عائشہ کے متعلق ابن رجب برسی کا کہنا ہے:

"ان عائشة جمعة اربعین دیناراً من خیانة". (۳)

(کہ عائشہ نے چوری سے چالیس دینار اکٹھا کر لیے تھے)

میں پوچھتا ہوں کہ اگر تینوں خلفاء کا یہی کردار تھا تو امیر المومنین نے ان کے ہاتھ پر بیعت کیوں کی تھی؟ اور ان تینوں کی خلافت میں امیر المومنین ان کے وزیر کیوں بنے رہے؟ کیا اس لیے کہ آپ ان سے ڈرتے تھے؟ معاذ اللہ!

اور اگر یہ مان لیا جائے کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب کی پچھلی شرمگاہ میں بیماری تھی جس کی تکلیف سے راحت کسی مرد کے پانی سے ہی ملتی تھی جیسا کہ سید جزائری کا ماننا ہے تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ ایسے شخص سے امیر المومنین نے اپنی لڑکی ام کلثوم کی شادی کیوں کرائی؟ کیا حضرت عمر کی اس بیماری کا علم امیر الومنین کو نہیں ہو پایا؟ اور سید جزائری پر جا کر عقدہ کھلا؟! بات تو ایسی بدیہی ہے کہ سمجھنے کے

(۱) روضة الکافی: ۲۴۶/۸۔ (۲) الصراط المستقیم: ۳۰/۲۔ (۳) مشارق الانوار الیقین: ۸۶۔

لیے کسی مغز ماری کی ضرورت نہیں۔

شیعوں کے علاوہ سب حرامی

کلینی کہتے ہیں:

"ان الناس كلهم اولاد الزنا أو قال بغايا ما خلا شيعتنا". (۱)

(ہمارے کہ سارے لوگ حرام کی اولاد ہیں۔ یا یہ کہا کہ: زانی وبدکار ہیں، سوائے ہم شیعوں کے)

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اہل سنت کی جان ومال کو مباح قرار دیا ہے۔ چنانچہ داؤد ابن فرقد کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے دریافت کیا کہ ''نواصب'' (یعنی اہل سنت) کے قتل کے سلسلہ میں آپ کا کیا کہنا ہے؟

انھوں نے جواب دیا: مباح الدم ہے، لیکن میں تم لوگوں پر ڈرتا ہوں (کہ پتہ نہیں یہ کام انجام دے سکو یا نہیں) تو اگر تمہیں کم از کم یہی موقع ملے کہ اس پر دیوار گرادو یا اس کو پانی میں ڈبو سکو تو تم کر گزرو تاکہ وہ تمہارے خلاف گواہی نہ دے سکے۔ (۲)

امام خمینی نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم اس کا مال ہڑپ کر سکو تو ہڑپ کرلو اور اس کا خمس (پانچواں حصہ) ہم کو بھیج دو۔

ہلاکو خان اور شیعہ

سید نعمۃ اللہ جزائری کہتے ہیں کہ رشید کا وزیر علی ابن یقطین اپنے زمانۂ قید میں مخالفین کی ایک جماعت سے ملا، جن کی تعداد پانچ سو تھی، اس نے اپنے لونڈوں کو حکم دیا کہ قید خانہ کی دیوار ان پر گرادو، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور اس کے نتیجہ میں وہ سب کے سب ہلاک ہوگئے۔ (۳)

(۱) الروضة:۸/۱۳۵۔ (۲) وسائل الشيعة:۱۸/۴۶۳۔ (۳) الانوار النعيمية:۳/۳۰۸۔

بغداد کی دھرتی پر ہلاکو کے ذریعہ برپا کی گئی ہلاکت و تباہی کی ساری داستانیں تاریخ کے سینوں میں محفوظ ہیں، اس نے انسانی تاریخ کا سب سے بھیانک قتل عام اور خونریزی مچائی، اہل سنت کے خون سے اس نے جو ہولی کھیلی اس سے دریائے دجلہ کا پانی سرخ ہوگیا، خون کی ندیاں بہہ کر دجلہ میں پہنچے تو اس کی سرخی نے پانی کا رنگ تک بدل ڈالا! پھر اس نے اس قدر کتابیں دریا برد کیں کہ اسی دجلہ کا پانی سیاہ ہوگیا! اور یہ سب نوازشیں تھی نصیر طوسی اور محمد ابن علقمیٰ کی جن کے خصوصی تعاون سے یہ سب ممکن ہوا! دونوں عباسی خلیفہ کے وزیر تھے، اور دونوں ہی شیعہ تھے، ان کے اور ہلاکو کے درمیان خفیہ مراسلت تھی، جس کی بدولت ہی بغداد پر چڑھائی اور اس عباسی خلافت کے خاتمہ پر ہلاکو خاں کو انشراح ہوا، اس ملک کے یہ دونوں وزیر تھے اور خاصا اثر ورسوخ بھی رکھتے تھے، لیکن اس سے خوش اور مطمئن نہیں تھے، صرف اس لیے کہ اس کے خلفاء کا مذہب ''اہل سنت'' کے مطابق تھا۔ چنانچہ ہلاکو بغداد میں داخل ہوا، اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور عباسیوں کا تختہ الٹ دیا۔ اور پھر دنیا نے دیکھا کہ زیادہ دن نہیں گزرے اور ہلاکو خاں کے وزیروں میں دونوں کا نام آگیا، حالاں کہ یہ بات جگ ظاہر ہے کہ ہلاکو بت پرست تھا۔

ان سب کے باوجود ابن یقطین، طوسی اور علقمیٰ، امام خمینی کے محبوب اور آئیڈیل ہیں، ان کی خدمات کو امام صاحب قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور ان کو اسلام کے لیے پیش کی گئی عظیم الشان خدمات قرار دیتے ہیں۔

اب ہم اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے ''نواصب'' (یعنی اہل سنت) کا کیا حکم ہے؟ اس کے متعلق سید نعمۃ اللہ جزائری کا قول نقل کرتے ہیں جو اس باب میں سب سے جامع ہے، اور وہ لکھتے ہیں: علمائے شیعہ امامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اہل سنت سب کافر ہیں، اور نجس و پلید ہیں، یہود و نصاریٰ سے بدتر ہیں، اور ''ناصبی'' کی

پہچان یہ ہے کہ وہ امامت میں حضرت علی پر دوسروں کو فوقیت دیتا ہے۔(۱)

خلاصۂ کلام

اہل سنت کے بارے میں شیعوں کے عقائد کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

وہ سب کے سب کافر ہیں، پلید ہیں، یہود و نصاریٰ سے بدتر اور گئے گزرے ہیں، حرامی ہیں، ان کو قتل کرنا اور ان کا مال ہڑپ کرنا واجب ہے، ان کے ساتھ کسی بھی چیز میں اتحاد کی گنجائش نہیں، نہ رب کے معاملہ میں، نہ رسول کے معاملہ میں، اور نہ امام کے معاملہ میں۔ ان کے ساتھ نہ کسی قول میں موافقت جائز ہے اور نہ کسی فعل میں۔ ان پر لعنت بھیجنا اور ان کو اور ان میں بھی بالخصوص قرن اول کے ان افراد کو گالیاں دینا واجب ہے، جن کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ستائش کی ہے، اور جو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ دعوت و جہاد کے ہر گام اور ہر منزل پر ثابت قدم رہے۔ ورنہ خدارا! آپ ہی بتلائیں کہ کفار کے ساتھ سخت ترین معرکوں میں قدم قدم پر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دینے والے آخر کون تھے؟ کفر و ایمان کی ان معرکہ آرائیوں میں ان کا ہر لمحہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ رہنا کیا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ اپنے ایمان میں مخلص تھے اور سفر دعوت و جہاد کی آزمائشوں کے ہر مرحلہ پر سچے اترنے والے تھے۔ لہٰذا ہمارے فقہاء کی ہرزہ سرائیاں اور بیہودہ گوئیاں کسی حال میں لائق اعتناء نہیں ہیں۔

امام خمینی کے خطرناک عزائم

ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد جب آل پہلوی کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور زمام اقتدار امام خمینی کے ہاتھوں میں آگئی تو شیعہ علماء کا یہ فرض بنا کہ امام خمینی کی خدمت

(۱) الانوار النعمانية:۲/۲۰۶-۲۰۷۔

میں حاضر ہوں، اور اس عظیم کامیابی پر انھیں مبارک باد دیں کہ ان کے ہاتھ پر عصر حاضر میں شیعوں کی وہ پہلی حکومت قائم ہوگئی جس کا اقتدار اعلیٰ فقہاء کے ہاتھ میں ہوگا۔

میں امام خمینی سے چونکہ بہت قریب تھا اور ان سے میرا گہرا تعلق تھا، اس لیے ذاتی طور پر میرا بھی فرض بنتا تھا کہ مبارک باد دینے کے لیے امام صاحب کے در پر حاضری دوں۔ امام خمینی پیرس کی جلاوطنی کے بعد جب تہران واپس آگئے، تو اس کے تقریباً ڈیڑھ دو مہینے بعد میرا بھی ایران جانا ہوا، لوگوں نے بڑی گرمجوشی سے میرا استقبال کیا، عراق کے دوسرے شیعہ علماء کے مقابلہ میں میرا یہ سفر بالکل منفرد، اور امتیازی شان کا حامل تھا۔

ایک خصوصی نشست میں امام صاحب نے مجھ سے کہا: سید حسین! اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم ائمہ کرام کی وصیتوں کو نافذ کریں، اب ہم مزہ سے اہل سنت کا خون بہائیں گے، اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ کر ان کے لڑکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ ان میں سے کوئی بھی ہمارے عتاب سے بچ نہیں سکے گا۔ ان کے مال پر صرف شیعان اہل بیت کا قبضہ ہوگا۔ مکہ اور مدینہ کا روئے زمین سے ہم وجود مٹا دیں گے، کیوں کہ یہ دونوں وہابیوں کے مضبوط قلعے ہیں۔ اور اب ضروری ہے کہ ارض کربلا اللہ کی سب سے مقدس اور پاکیزہ سرزمین بن جائے، اور اسی کی طرف رخ کر کے لوگ نماز ادا کیا کریں۔ اس طرح ہم خود ائمہ کے خوابوں کو تعبیر کا پیکر محسوس عطا کرسکیں گے، جس حکومت کے لیے ہم ایک طویل عرصہ سے مسلسل قربانیاں دے رہے تھے، آج وہ حکومت قائم ہوچکی ہے، اب صرف ایکشن (Action) لینا اور اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانا باقی ہے!!

نوٹ

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ عوام (یعنی اہل سنت) سے شیعوں کی عداوت و

دشمنی کی کوئی نظیر نہیں، اسی لیے ہمارے فقہاء کی نظر میں اہل سنت پر جھوٹ باندھنا، ان پر تہمتیں لگانا، اسرارپرداری کرنا، اوران کو بدنام ورسوا کرنا، سب کچھ جائز ہے۔

آج بھی چوں کہ ذمہ داروں کی طرف سے اس کی خاص تاکید ہوتی ہے، اس کے پیش نظر شیعہ اہل سنت پر کینہ وحسد اور دشمنی وعداوت ہی کی نگاہ ڈالتے ہیں، شیعوں کواس بات کی خاص ہدایت دی گئی ہے کہ وہ عام میدانوں کو چھوڑ کر حکومتی شعبوں اور سرکاری محکموں اور بالخصوص ان میں بھی فوج، امن، اور خفیہ اطلاعات جیسے میدانوں کا انتخاب کریں اوراہم ترین عہدوں پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ آج ہر شیعہ اس بات کے شدید اشتیاق اورانتظار میں ہیں کہ کب وہ گھڑی آئے گی جب اہل سنت کے خلاف جہاد کا بگل بجایا جائے گا اور وہ ان پر ٹوٹ پڑیں گے؟ اورتمام شیعہ عوام یہ تصور رکھتے ہیں کہ ایسا کر کے وہ اہل بیت کی زبردست خدمت انجام دیں گے، یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ ان کو جنگ کی بھٹی میں ڈھکیلنے والے وہ لوگ ہیں جو پس پردہ رہ کر سازشیں رچتے ہیں۔

ان کی طرف انشاءاللہ اگلے صفحات میں اشارہ کیا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

شیعیت کی تعمیر میں خارجی عناصر کا کردار

کتاب کی پہلی فصل میں ہم شیعیت کی تعمیر میں عبداللہ ابن سبا یہودی کے کردار پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے شیعہ عوام وخواص سبھی چشم پوشی برتتے ہیں۔ اس موضوع پر ایک طویل عرصہ تک میں غور وفکر کرتا رہا اور آخر اس نتیجہ پر پہنچا جس کا ادراک دوسرے بھی کر چکے ہیں کہ شیعیت کے اندر باطل عقائد، گھٹیا سوچ اور گندے افکار کو داخل کرنے میں کچھ ''خاص لوگوں'' نے اہم کردار نبھایا ہے۔

ام الحوزات حوزہ نجف میں ایک لمبے عرصہ تک قیام اور شعیت کی معتبر اور مستند کتابوں کے پیہم مطالعہ کے بعد میری رسائی کچھ ایسے خطرناک حقائق تک ہوئی ہے، جن سے اکثر لوگ یا تو ناواقف ہیں یا اس سے تجاہل برتتے ہیں۔ اور مشکوک کردار کے حامل کچھ ایسے چہرے مجھے نظر آئے ہیں جنھوں نے شیعیت کے چہرہ کو مسخ کر کے موجودہ صورت تک پہنچانے میں موثر رول ادا کیا ہے۔ اہل کوفہ کے اہل بیت کے ساتھ ناروا سلوک اوران کی دغابازی سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جن لوگوں نے اہل بیت کے ساتھ یہ برتاؤ کیا تھا وہ شیعہ نہیں تھے بلکہ شیعیت کا بھیس اختیار کیے ہوئے تھے، اوراہل بیت کی محبت کا دم بھرنے والے تھے۔

آستین کے ان سانپوں کے کچھ نمونے ملاحظہ ہوں:

ہشام بن الحکم

یہی وہ ہشام ہے جس کی روایتیں "صحاح ثمانیہ" (حدیث کی آٹھ کتابوں) اور حدیث کی دیگر کتابوں میں ملتی ہیں۔

یہی وہ شخص ہے جو امام کاظم کو جیل تک پہنچانے اور پھر ان کے قتل کا سبب بنا، "رجال الکشی"، میں ہے کہ ہشام بن الحکم خود بھی گمراہ تھا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا تھا، وہ ابوالحسن (علیہ السلام) کے قتل میں شریک تھا۔(۱)

ہشام نے ابوالحسن سے کہا: "مجھے کوئی وصیت کردیجیے۔ انھوں نے فرمایا: میں تجھے اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ میرے قتل کے سلسلہ میں اللہ کا خوف کھاؤ"۔(۲)

ابوالحسن (علیہ السلام) نے اس سے کہا تھا کہ وہ ان کے بارے میں اپنی زبان نہ کھولے۔ ایک ماہ تک اس نے توقف کیا لیکن پھر اس نے آپ کے متعلق باتیں شروع کردیں۔ ابوالحسن (علیہ السلام) نے اس سے کہا: "اے ہشام! کیا تم کو کسی مسلمانکے خون میں شریک ہونا اچھا لگتا ہے؟ اس نے جواب دیا: جی نہیں۔ انھوں نے فرمایا: تو پھر تم میرے خون میں کیوں شریک ہورہے ہو؟ اگر تم خاموش رہتے ہو تو ٹھیک ورنہ مجھے تو ذبح کردیا جائے گا"۔ لیکن اس نے اپنی زبان بند نہ رکھی اور امام صاحب کا جو حشر ہونا تھا وہ ہوا۔(۳)

کیا اہل بیت کے کسی مخلص سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس امام عالی مرتبت کے قتل کا سبب بنے؟۔

آیئے میرے ساتھ ان نصوص کو بھی پڑھیے:

محمد ابن فرج رخجی کہتے ہیں: "میں نے ابوالحسن (علیہ السلام) سے خط کے ذریعے

(۱) صفحہ/۲۲۹۔ (۲) رجال الکشی:۲۲۶۔ (۳) رجال الکشی:۲۳۱۔

پوچھا کہ ہشام بن الحکم کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے اور ہشام بن سالم (جوالیقی) کا ماننا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شکل وصورت ہے، تو اس سلسلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

انھوں نے جواب دیا: "اس طرح کے شبہات اور خلجان پیدا کرنے والی باتوں سے دور رہو اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو، ان دونوں ہشاموں کی باتیں بالکل لغو ہیں"۔(۱)

ہشام بن الحکم کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے، اور ہشام بن سالم کا دعویٰ تھا کہ اللہ شکل وصورت رکھتا ہے۔

ابراہیم ابن محمد الخراز، اور محمد ابن الحسین سے مروی ہے کہ "ہم ابوالحسن رضا (علیہ السلام) کے پاس گئے اور ان سے وہ روایت بیان کی جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے پروردگار کو تیس سالہ خوبرو جوان کی شکل میں دیکھا، جس کے پیروں کے نیچے ہریالی تھی۔ ہم نے یہ بھی کہا کہ ہشام بن سالم صاحب "الطاق" اور میثمی کہتے ہیں کہ وہ ناف تک کھوکھلا ہے اور باقی حصہ ٹھوس ہے، الخ"(۲)

کیا یہ بات عقل میں آنے والی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیس سالہ نوجوان کی شکل میں دکھائی دے، اور وہ بھی ناف تک اندر سے کھوکھلا؟! یہ تو بالکل وہی بات ہوئی جیسے یہودی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھاری بھرکم جسم والا ہے۔ جس کی تصریح توریت (سفر تکوین) میں ہے۔ یہ سب وہ یہودی آثار ونقوش ہیں جو ہشام بن الحکم (امام کاظم کے قتل کا ذمہ دار) ہشام ابن سالم، صاحب طاق، اور میثمی علی ابن اسماعیل (مصنف الامامۃ) جیسے شیطانوں کے واسطے سے شیعیت میں درآئے ہیں۔

(۱) اصول الکافی:۱/۱۰۵، بحار الانوار:۳/۲۸۸، الفصول المهمة: صفحہ/۵۱۔
(۲) اصول الکافی:۱/۱۰۱، بحار الانوار:۴/۴۰۔

اگر ہم اپنی ''صحاح ثمانیہ ''اور دیگر معتبر کتابوں کا جائزہ لیں تو جابجا انہی لوگوں کی روایات ملیں گی۔

زرارة بن أعين

شیخ طوسی فرماتے ہیں: ''زرارہ عیسائی النسل تھا، اس کے دادا (سنسن یا سبسن) عیسائی پادری تھے، اور اس کا باپ قبیلۂ بنوشیبان کے ایک شخص کا رومی غلام تھا''۔(۱)

یہ زرارہ وہی ہے جو کہتا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ (علیہ السلام) سے تشہد کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا اس سے مراد ''التحیات والصلوات.....'' ہی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں ''التحیات والصلوات'' ہی تشہد ہے پھر میں وہاں سے ان کے منہ پر ریح خارج کرتے اور یہ کہتے ہوئے نکل آیا کہ یہ شخص کبھی کامیاب وبامراد نہ ہو۔(۲)

زرارہ مزید کہتا ہے کہ خدا کی قسم! اگر میں ابوعبداللہ (علیہ السلام) سے سنی ہوئی تمام باتیں بیان کردوں تو لوگوں کے اندر ہیجانی کیفیت پیدا ہوجائے اور وہ لکڑیوں سے اپنی ضرورت پوری کرنے پر مجبور ہوجائیں۔(۳)

ابن مسکان بیان کرتے ہیں کہ میں نے زرارہ کو کہتے ہوئے سنا: ''اللہ ابوجعفر

(۱) الفہرست: صفحہ/۱۰۴۔

(۲) رجال الکشی: ص۱۴۲۔ جو شخص ابوعبداللہ علیہ السلام کی داڑھی پر ریح خارج کرے اور ان کے تعلق سے کہے کہ یہ کبھی فلاح نہیں پاسکتے وہ شخص مسلمان، اور اہل بیت (علیہم السلام) کا مخلص ہرگز نہیں ہوسکتا۔

(۳) رجال الکشی: صفحہ/۱۲۳۔ یہ ابوعبداللہ (علیہ السلام) پر ایک سنگین تہمت ہے، کیوں کہ اس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ابوعبداللہ نے اس سے ایسی شرمناک اور شہوت انگیز باتیں بیان کی ہیں کہ لوگ ان کو سننے کے بعد اس قدر بے قابو اور بے خود ہوجائیں گے کہ اپنی شہوت پوری کرکے ہی دم لیں گے، خواہ اس کے لیے انھیں لکڑیوں کا ہی سہارا کیوں نہ لینا پڑے۔

پر رحم فرمائے! میرا دل ان کی طرف سے میلا ہے۔''

میں نے پوچھا کہ زرارہ نے ایسا کیوں کہا؟

جواب دیا کہ زرارہ اس وجہ سے ناراض ہے کہ ابوعبداللہ نے اس کی بیہودہ گوئیوں کی قلعی کھول دی تھی۔(۱)

اسی وجہ سے ابوعبداللہ (علیہ السلام) نے اس کے بارے میں فرمایا تھا: ''زرارہ پر خدا کی لعنت ہو!''۔(۲)

ابوعبداللہ (علیہ السلام) نے یہ بھی فرمایا تھا: ''واللہ! اگر جہنم صرف ایک چھوٹی سی پیالی کے برابر بھی ہوتی تب بھی اعین بن سنسن کی اولاد کے لیے کافی ہوتی''۔(۳)

نیز فرمایا: ''خدا کی لعنت ہو برید پر۔ خدا کی لعنت ہو زرارہ پر۔''(۴)

یہ بھی فرمایا: ''زرارہ در بدر کی ٹھوکریں کھاتا ہوا کیفر کردار تک پہنچے گا۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو''۔(۵)

ابوعبداللہ (علیہ السلام) کا یہ بھی فرمانا ہے: ''یہ زرارہ ابن اعین ہے خدا کی قسم یہ ان ہی لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے: ''وَقَدِمْنَا اِلٰی مَاعَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا'' الفرقان: ۲۳ (اور جو کچھ ان کا کیا دھرا ہے اسے ہم غبار پریشاں بنا کر اڑا دیں گے)(۶)

اور فرمایا: ''کچھ لوگوں کا ایمان عارضی ہوتا ہے جو ان سے بعد میں چھین لیا جاتا ہے، قیامت کے دن ایسے لوگوں کو ''معارون'' (یعنی عارضی ایمان والے) کہہ کر پکارا جائے گا، زرارہ ابن اعین بھی انہی لوگوں میں سے ہے۔''(۷)

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ''اگر وہ بیمار پڑے تو کبھی اس کی عیادت کے لیے نہ

(۱) رجال الکشی: صفحہ/۱۳۱۔ (۲) ایضاً: ۱۳۳۔ (۳) صفحہ/۱۳۳۔ (۴) صفحہ/۱۳۴۔ (۵) ص: ۱۳۴۔

(۶) ص۱۳۴۔ (۷) رجال الکشی: ص۱۳۶۔

جانا، اور اگر وہ مرجائے تو اس کے جنازہ میں ہرگز شریک نہ ہونا''۔ (۱)

کسی نے تعجب سے پوچھا: کیا زرارہ؟

فرمایا: ہاں، یہود و نصاریٰ اور تثلیث کے قائلوں سے بھی گیا گزرا انسان ہے زرارہ! اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل و خوار کیا ہے اور فرمایا: ''زرارہ کو میری امامت کے سلسلہ میں شک تھا، تو میں نے اس کا معاملہ اپنے رب کے سپرد کردیا۔ (۲)

میرا کہنا ہے کہ زرارہ جب عیسائی خاندان کا ایک فرد ٹھہرا، اسے ابوعبداللہ (علیہ السلام) کی امامت میں بھی شک ہے، یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ (علیہ السلام) کے منہ پر ہوا خارج کی، اور یہ بھی بکتا ہے کہ وہ کبھی کامران نہیں ہوسکتے تو ایسے شخص سے دین کی کس خدمت کی توقع کیا جاسکتی ہے؟!

ہماری کتب ''صحاح''زرارہ کی احادیث سے بھری پڑی ہیں، اسے تمام راویوں میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس نے اہل بیت کی شان میں جھوٹی باتیں گڑھیں اور ابوعبداللہ (علیہ السلام) کے بقول اس نے اسلام میں ایسی بدعات و خرافات داخل کیں جو کسی اور نے نہیں کیں جو شخص بھی ہماری صحاح کا مطالعہ کرے گا، روز روشن کی طرح اس پر یہ حقیقت عیاں ہوجائے گی۔

زرارہ ہی کی طرح برید کا بھی معاملہ ہے، ابوعبداللہ نے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔

(۱) ص۱۴۱۔ (۲) ص/۱۳۸۔ ابوعبداللہ (علیہ السلام) نے زرارہ پر جو نقد کیا ہے اور اس پر جو لعنت بھیجی ہے اس کی تشریح میں ہمارے علما لکھتے ہیں کہ ابوعبداللہ (علیہ السلام) نے یہ باتیں تقیہ کے طور پر کہی تھی، جب کہ یہ بات سرے سے غلط ہے کہ ابوعبداللہ (علیہ السلام) تقیہ کا سہارا لیں، کیوں کہ اگر ابوعبداللہ (علیہ السلام) نے تقیہ کے طور پر باتیں کہی تھیں تو زرارہ کے اس قول کا کیا مطلب کہ اس نے ابوعبداللہ (علیہ السلام) کے منہ پر ریح خارج کی، ابوعبداللہ نے اس پر لعنت بھیجی، کیا یہ سب باتیں بھی بطور تقیہ کے تھیں؟! ہرگز نہیں بلکہ ان سب باتوں سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوعبداللہ (علیہ السلام) اور زرارہ کے بیچ اس ناچاقی کی وجہ زرارہ کے بیہودہ اقوال اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں اور اس کی گھٹیا سوچ تھی، ورنہ ابوعبداللہ (علیہ السلام) اس کے متعلق ایسی باتیں نہ کہتے!

ابو بصیر لیث بن بختری

یہ ابوبصیر وہی ہے جس نے امام ابوالحسن موسیٰ کاظم (علیہ السلام) کی شان میں اس وقت گستاخی کی جب ان سے ایک ایسے شخص کے متعلق فتویٰ پوچھا گیا جس نے کسی ایسی عورت سے شادی کی ہو جس کا پہلے سے شوہر موجود ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو۔

امام صاحب نے جواب دیا: ''عورت کو رجم کیا جائے گا اور مرد کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی (بشرطیکہ اسے اس کا علم نہ ہوا ہو)''۔

اس پر ابوبصیر مرادی نے اپنا سینہ پیٹتے ہوئے کہا:

''میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے امام کا علم ناقص ہے''۔ (۱)

اس کا سیدھا سا مطلب یہی ہے کہ وہ امام کاظم (علیہ السلام) پر کم علمی کا الزام لگا رہا ہے!!

ایک مرتبہ ابن ابویعفور اور ابوبصیر دونوں دنیا کے کسی معاملہ باتیں کررہے تھے، ابوبصیر کہنے لگا: اگر تمہارے امام کو دنیا مل جائے تو وہ اسی کو ترجیح دیں گے، پھر ابوبصیر کی وہیں آنکھ لگ گئی، ایک کتا آیا اور اس کے اوپر پیشاب کے لیے ٹانگ اٹھانے لگا، حماد ابن عثمان اسے بھگانے کے لیے کھڑے ہوئے، تو ابن ابی یعفور نے کہا کہ رہنے دو۔ اور کتے نے اس کے کان پر پیشاب کردیا (۲)

دیکھو! وہ ابوعبداللہ پر دنیا کی طرف میلان اور اس سے محبت کی تہمت لگا رہا تھا! اللہ نے اس کی سرزنش کے لیے ایک کتے کو بھیج دیا جس نے اس کی پاداش میں اس کے کان پر پیشاب کردیا۔

حماد ناب کہتے ہیں: ابوبصیر، ابوعبداللہ کی چوکھٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور اندر جانے کی اجازت چاہ رہا تھا، لیکن اس کو اجازت نہیں ملی تو وہ کہنے لگا کہ میرے پاس تھال

(۱) رجال الکشی: ص۱۵۴۔ (۲) ص/۱۵۴۔

نہیں ہے اس لیے مجھ کو اجازت نہیں ملی! اسی اثنا، میں ایک کتا آیا اور ٹانگ اٹھا کر ابوبصیر کے منہ پر موتنے لگا۔ ابوبصیر کہنے لگا: ارے ارے! یہ کیا ہے؟ (خیال رہے کہ ابوبصیر نابینا تھا) اس کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا: کتا تھا، جو تمہارے منہ پر موت گیا۔(۱)

دیکھئے! وہ ابوعبداللہ پر تہمت لگا رہا تھا کہ ان کو لذیذ کھانوں اور ثرید سے اتنی رغبت ہے کہ اپنے یہاں انہیں لوگوں کو اجازت دیتے ہیں جن کے پاس کھانے کی تھال ہوتی ہے، مگر اللہ تعالی نے اسے اس کی بھی سزا ایک کتے کے ذریعے دی کہ وہ آیا اور اس کے چہرے پر پیشاب کر کے چلا گیا۔

ابوبصیر اخلاقی اعتبار سے بھی گرا ہوا شخص تھا وہ خود اپنا حال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''میں ایک لڑکی کو قرآن کا ٹیوشن دیا کرتا تھا ایک مرتبہ میں نے اس سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی''۔

وہ شکایت لے کر ابوجعفر (علیہ السلام) کے پاس پہنچی، ابوجعفر نے مجھے بلا کر پوچھا: اے ابوبصیر! تم نے اس عورت کے ساتھ کیا حرکت کی ہے؟

جواب دیا: میں نے تو بس ہاتھ سے ایسا کیا ہے۔ اور یہ کہہ کر اپنا چہرہ چھپا لیا!!

ابوجعفر نے کہا کہ اب دوبارہ ایسی حرکت نہ کرنا۔(۲)

ابوبصیر کے اخلاق کی پستی ملاحظہ کیجیے! وہ قرآن پڑھا رہا ہے لیکن اس کا ہاتھ لطف اندوزی کے لیے اس لڑکی کے جسم کے کس کس حصہ پر گردش کر رہا ہے!!

ابوبصیر کا نسیان

ابوبصیر بہت بڑا بھلکڑ بھی تھا۔ محمد ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے علی

(۱) رجال الکشی: صفحہ/۱۵۵۔ (۲) رجال الکشی: صفحہ/۱۵۴۔

ابن حسن سے ابوبصیر کے متعلق دریافت کیا، تو انھوں نے جواب دیا کہ ابوبصیر کی کنیت ابومحمد تھی وہ واسد کا غلام تھا اور نابینا تھا۔

پھر میں نے ان سے پوچھا: کیا اس پر غلو کا بھی الزام ہے؟ کہا کہ نہیں، غلو کا الزام تو نہیں ہے البتہ وہ باتوں میں خلط ملط کر دیتا تھا۔(۱)

میرا کہنا ہے کہ حدیث کی معتبر کتابوں میں اس سے بکثرت روایتیں مروی ہیں، اور ان روایتوں میں بھی اس نے بہت گل کھلائے ہیں۔ جب اس کے اندر باتوں میں تمیز کی بھی صلاحیت نہیں تھی تو پتہ نہیں دین کے سلسلہ میں اس نے کیا کچھ خلط ملط نہ کیا ہو۔

ان روایتوں میں اس نے جو بڑی عجیب وغریب باتیں بیان کی ہیں کیا بعید کہ یہ اس کے بھلکڑ پن کا نتیجہ ہو؟!

طبرستان کے علماء

طبرستان میں ایسے لوگ بھی گذرے ہیں جو شیعیت کی شبیہ بگاڑنے اور اس کے چہرے کو مسخ کرنے کے ارادے سے علم کا سہارا لے کر شیعیت کے دائرہ میں داخل ہوئے تھے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے نقوش اس کی شخصیت کی گواہی دیتے ہیں، اگر اس نے اپنے پیچھے پاکیزہ نقوش چھوڑے ہیں تو یہ اس کے عقیدہ کی درستگی، اخلاق واعمال کی پاکیزگی اور فطرت کی سلامتی کی دلیل ہے۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو نتائج بھی اس کے برعکس ہی ہوں گے۔ چنانچہ مرنے والے کے برے نقوش اس کے عقیدہ اور اعمال واخلاق کے بگاڑ، اور اس کی بدطینتی کی دلیل ہیں۔

بعض علمائے طبرستان نے کچھ ایسے ہی نقوش چھوڑے ہیں جو ان کی شخصیت

(۱) رجال الکشی: صفحہ/۱۵۴۔

کے تعلق سے شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں، ہم یہاں تین نمونوں پر اکتفا کرنا چاہتے ہیں، جن کی اپنی ایک مرکزی حیثیت تھی اور اونچا مقام تھا:

۱۔ مرزا حسین ابن تقی نوری طبرسی

مرزا صاحب "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الأرباب" کے مؤلف ہیں، جس میں انھوں نے کتب شیعہ کے حوالہ سے دو ہزار سے زائد ایسی روایتیں جمع کی ہیں جن سے وہ قرآن کریم میں تحریف کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، اس کتاب میں انھوں نے فقہاء ومجتہدین کے اقوال بھی جمع کردیے ہیں۔ ان کی یہ کتاب شیعیت کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے!!

یہود ونصاریٰ قرآن کریم کو تحریف شدہ ثابت کرتے ہیں، یہی بات طبرسی بھی کہتے ہیں تو پھر یہود ونصاریٰ اور طبرسی میں کیا فرق بچا؟

ایک سچا مسلمان جس کا یہ عقیدہ ہے کہ جس کتاب کو اللہ رب العزت نے نازل کیا اور خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا، کیا وہ یہ تسلیم کرسکتا ہے کہ اسی کتاب میں کتر بیونت اور تحریف کردی گئی؟!

۲۔ احمد ابن علی ابن ابی طالب طبرسی

احمد ابن علی ابن ابی طالب طبرسی (۱) "الاحتجاج" کا مصنف ہے (۲) جس میں اس نے وہ روایات درج کی ہیں جن میں قرآن کریم کے محرف ہونے کی صراحت ہے، اور ایسی روایات کو بھی جگہ دی ہے جن کی آڑ میں اس کا دعویٰ ہے کہ

(۲) الفروع: ۲/ ۱۹۸۔ (۲) خود کو ابن علی ابن ابی طالب کہنے والے اس شخص کا مقصد اس نام کے ذریعہ محض ناموری حاصل کرنا تھا، تاکہ بآسانی اپنا زہر پھیلا سکے، ورنہ اس جیسا انسان اس بات کا بھی اہل نہیں کہ اپنی نسبت حضرت علی کی خاک پا کی طرف بھی کرسکے، اور یہ بھی معلوم رہے کہ اس شخص کی نہ کوئی اصل ہے اور نہ اس کی زندگی ہی لوگوں کے سامنے ہے۔

امیر المؤمنین اور صحابہ کرام کے آپسی تعلقات انتہائی کشیدہ تھے۔

یہی وہ روایات ہیں جو مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور ان کا شیرازہ منتشر کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اس کتاب کے مصنف کی نیت میں کس قدر فتور تھا!

۳۔ فضل ابن حسن طبرسی

"مجمع البیان فی تفسیر القرآن" کے یہ مصنف ہیں، ان کی یہ تفسیر مغالطات اور بیجا تاویلات سے پر ہے اور ایک ایسی خشک تفسیر ہے جو تفسیر کے معروف قواعد سے بھی متصادم ہے۔

طبرستان یہودیوں کی آماجگاہ

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ طبرستان اور اس کے قرب وجوار میں خزر کے یہودی بڑی تعداد میں آباد ہیں، اور یہ طبرسی علماء خزر کے وہی یہودی ہیں جو اسلام کا چوغہ اوڑھ کر سامنے آئے، دین اسلام کو مطعون کرنے میں انہی کی کتابیں سب سے بڑا ذریعہ ثابت ہوئی ہیں۔

اگر ہم ایک طرف "فصل الخطاب" کو رکھیں اور دوسری طرف مستشرقین کی وہ کتابیں رکھیں جن میں اسلام کو نشانہ بنایا گیا ہے، تو ان کتابوں کے مقابلہ میں "فصل الخطاب" اسلام کو زیادہ بدنام کرتی نظر آئے گی۔ یہی حال دوسرے طبرسی مؤلفین کی کتابوں بھی کا ہے۔

ایک افسوس ناک واقعہ

حوزۂ نجف کے ایک مؤقر استاد کی وفات ہوئی، میں نے ثواب کی خاطر

انھیں غسل دیا، اس کام میں ان کی اولاد نے میرا تعاون کیا، دوران غسل یہ حقیقت آشکار ہوئی مرنے والے کا ختنہ نہیں ہوا تھا!

میں اس وقت مرحوم کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ ان کی اولاد کو پتہ ہے کہ ان کو کس نے غسل دیا تھا، اگر میں انکا نام لے لوں تو وہ لوگ مجھے پہچان جائیں گے اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ جائیں گے کہ اس کتاب کا مؤلف میں ہی ہوں، اس طرح میرا راز فاش ہو جائے گا جس کا انجام شاید بہتر نہ ہو۔

حوزہ میں کچھ سادات ایسے بھی ہیں، جن کی کچھ ایسی سرگرمیاں میری نگاہوں میں ہیں جو ان کے کردار کو مشکوک بناتی ہیں۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ میں ہمیشہ ان کی حقیقت کو جاننے کی مسلسل جستجو میں لگا رہتا ہوں۔

خارجی عناصر کا دوسرا پہلو

اب آیئے شیعیت میں خارجی عناصر کے اثرات کا ایک اور رنگ دیکھتے ہیں، ان عناصر نے ہماری معتبر کتابوں اور ہمارے اہم مراجع کے ساتھ خوب کھلواڑ کیا ہے، ہم چند نمونے پیش کرتے ہیں جنھیں دیکھ کر قارئین اس کی سنگینی اور اس کی انتہا کا اندازہ لگا سکتے ہیں:

الکافی کی تاریخی حیثیت

"الکافی" شیعیت کے مراجع میں ایک اہم اور معتبر نام ہے، اس کی صحت پر بارہویں امام (جو کہ معصوم ہیں اور جن سے کسی بھول چوک کا امکان نہیں) کی مہر ثبت ہے کلینی نے "الکافی" کی تالیف کے بعد اس کو سامراء میں امام موصوف کے سامنے ان کے غار میں پیش کیا تو امام (علیہ السلام) نے فرمایا: "الکافی" ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔"(۱)

(۱) دیکھئے: الکافی کا مقدمہ صفحہ/۲۵۔

ایک بڑے محقق سید عباس قمی فرماتے ہیں: "الکافی" اسلام کتب خانہ میں ایک اہم ترین اضافہ، اور امامیہ فرقہ کی معرکۃ الآرا کتاب ہے، شیعوں کی اس جماعت کے لیے اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

مولیٰ محمد امین استرابادی اس کتاب کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ہم نے اپنے علماء و مشائخ سے سنا ہے کہ اسلامی تاریخ میں اس کے ہم پلہ ابتک کوئی کتاب نہیں ہے۔"(۱)

ایک نظر ان اقوال پر بھی

خوانساری لکھتے ہیں: "کتاب الروضة" (جو کئی ابواب پر مشتمل ہے) کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ آیا وہ کلینی کی تالیف "الکافی" ہی کا ایک حصہ ہے یا بعد کا اضافہ ہے؟"(۲)

شیخ سید حسین ابن سید حیدر کرکی عاملی (م۱۰۷۶ھ) فرماتے ہیں: "الکافی" پچاس کتابوں کا مجموعہ ہے، اور ان میں سے ہر حدیث کی سند ائمہ (علیہم السلام) سے متصل ہے۔"(۳)

دوسری طرف سید ابو جعفر طوسی (م۴۶۰ھ) کا کہنا ہے: "کتاب الکافی تیس کتابوں پر مشتمل ہے۔"(۴)

سابقہ اقوال کی روشنی میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پانچویں صدی سے لے کر گیارہویں صدی تک الکافی میں تقریباً بیس کتابوں کا اضافہ کیا گیا ہے، اور ان میں سے ہر کتاب کئی کئی ابواب پر مشتمل ہے، جس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ اس پوری مدت میں الکافی میں تقریباً چالیس فیصد اضافہ کیا گیا ہے، اور یہ اضافہ روایات کی تبدیلی، الفاظ کے تغیر اور جملوں کے حذف و اضافہ کے علاوہ ہے۔

(۱) الکنیٰ والالقاب:۳/۹۸۔ (۲) روضات الجنات:۶/۱۱۸۔ (۳) ایضاً:۱۱۴۔ (۴) الفہرست:۱۶۱۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر ان بیس کتابوں کا اضافہ کس نے کیا؟ کیا وہ کوئی معصوم عن الخطا انسان تھا؟ اور کیا یہ کسی فرد واحد کا کام ہے یا اس پورے عرصہ میں پے درپے مختلف لوگ آتے رہے اور اس میں کمی وزیادتی اور حذف واضافہ کرتے رہے اور اس طرح اس کو تختۂ مشق بناتے رہے؟!

کیا اب بھی یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ "الکافی" پر امام مقدس کی مہر تصدیق ثبت ہے؟!!

تہذیب الاحکام کی حیثیت

شیعیت کی معتبر کتابوں میں "الکافی" کے بعد دوسرا درجہ "تہذیب الاحکام" کا ہے، یہ صحاح کی پہلی چار کتابوں میں سے ایک ہے، اس کے مؤلف حوزہ نجف کے بانی شیخ طوسی ہیں۔ ہمارے علماء وفقہاء کا دعویٰ ہے کہ اس وقت اس میں تیرہ ہزار پانچ سو نوے (۱۳۵۹۰) احادیث ہیں، حالاں کہ "عدة الأصول" کی روایت کے مطابق مؤلف کتاب شیخ طوسی کا اعتراف ہے کہ "تہذیب الاحکام" میں پانچ ہزار سے زائد حدیثیں ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایتیں کسی بھی حال میں چھ ہزار (۶۰۰۰) سے متجاوز نہیں، تو پھر احادیث کا یہ عظیم اضافہ کس نے کیا ان کی تعداد اصل کتاب سے بھی آگے نکل گئی؟ ساتھ ہی ان خرافات کو بھی ملحوظ رکھیے جو اس کتاب میں اور الکافی وغیرہ میں بکھری پڑی ہیں۔ بلاشبہ ان سب کے پیچھے وہ خفیہ ہاتھ ہیں جو اسلام کی نسبت سے پہچانے جاتے ہیں، حالانکہ اسلام ان جیسی چیزوں سے بالکل پرے ہے۔

یہ حال ہے شیعوں کی ان دو عظیم الشان کتابوں کا!!! اب آپ ہی بتائیں کہ اگر ان کی دیگر کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو ہم کس نتیجہ سے دوچار ہوں گے؟!

اسی لیے سید ہاشم معروف حسنی کہا کرتے تھے کہ جہاں دشمنان ائمہ نے اس قسم کی بہت سی روایات گڑھ کر ائمہ کی جانب منسوب کردیں وہیں شیعہ واعظوں نے بھی اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ "الکافی، الوافی" اور ان جیسے مجموعوں میں منتشر احادیث کو دیکھ کر بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ائمہ کے حاسدین اور غلو کرنے والوں نے ان کی عزت کو داغدار کرنے، اور ان کے اقوال کو بے حیثیت بنانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔(۱)

شیخ طوسی نے بھی "التہذیب" کے مقدمہ میں اسکا اعتراف کیا ہے، وہ کہتے ہیں: "بعض دوستوں نے بتایا کہ ہماری کتابوں میں روایات کا تعارض، تضاد اور اختلاف اس حد تک پایا جاتا ہے کہ کوئی روایت ایسی نہیں جس کے مقابلہ میں کوئی متعارض روایت نہ ہو، کوئی حدیث ایسی نہیں بچی جس سے متصادم کوئی دوسری حدیث نہ ہو، یہ ہمارے مخالفین کے لیے یہ ایک ایسا کارگر ہتھیار ہے جس کے ذریعہ وہ ہمارے مذہب کو نشانہ بناتے ہیں۔"

طوسی کی لاکھ خواہش کے باوجود ان کی اپنی کتاب بھی زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکی جیسا کہ آپ ملاحظہ کرچکے۔

سفر ہند کے دوران میری ملاقات سید علی نقی سے ہوئی، انھوں نے سید دلدار علی (غفران مآب) کی کتاب "اساس الاصول" کا ایک نسخہ مجھے عنایت فرمایا، اس کتاب کے صفحہ ۵۱ پر لکھا ہوا ہے: "ائمہ کرام سے منقول احادیث میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، مشکل سے بھی کوئی حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے متعارض کوئی دوسری حدیث نہ ہو، اور ایک روایت بھی ایسی نہیں جس سے کوئی دوسری روایت ٹکراتی نظر نہ آتی ہو"۔ اسی حقیقت نے ایک بڑی تعداد کو شیعہ مذہب ترک کرنے پر آمادہ کیا۔

(۱) الموضوعات: صفحہ/۱۶۵، ۲۵۳۔

'تحریف قرآن' کی حقیقت

آیئے! اب تحریف قرآن کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں:

سب سے پہلے جس کتاب میں قرآن مجید میں تحریف کا دعویٰ پیش کیا گیا وہ کتاب سلیم بن قیس ہلالی (م ۹۰ھ) ہے، جس میں صرف دو روایتیں ذکر کی گئی ہیں، اور منظر عام پر آنے والی یہ شیعوں کی پہلی کتاب ہے، اس میں ان دو روایتوں کے علاوہ کوئی تیسری روایت نہیں ملتی۔ مگر جب ہم اپنے معتبر مراجع اور کتاب سلیم بن قیس کے صدیوں بعد لکھی جانے والی کتابوں کی طرف لوٹتے ہیں تو ان میں تحریف قرآن سے متعلق روایتوں کا ایک طومار نظر آتا ہے حتیٰ کہ نوری طبرسی نے بڑی آسانی کے ساتھ اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں دو ہزار سے زائد روایات کو جمع کر دیا۔

آخر کس نے ان روایات کو گڑھنے کا کام انجام دیا؟ خاص طور سے جب ہم ان اقوال پر نظر دوڑاتے ہیں جو معتبر کتابوں اور بالخصوص کتب صحاح میں اضافہ کے تعلق سے ابھی ذکر کیے گئے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان روایات کو گڑھنے کا کام کتاب سلیم بن قیس کے بعد کی صدیوں میں کیا گیا ہے، اور بہت ممکن ہے کہ یہ کارنامہ چھٹی ساتویں صدی کا ہو۔ یہاں تک کہ شیخ صدوق (م ۳۸۱ھ) کو کہنا پڑا کہ "جس کسی نے اس قول۔ یعنی تحریف قرآن۔ کی نسبت شیعہ کی طرف کی وہ پرلے درجہ کا جھوٹا ہے۔"

یہ بات انھوں نے اس لیے کہی کہ اس قسم کی روایات ان کے کانوں سے کبھی نہیں ٹکرائی تھیں، اور بالفرض اگر ایسی روایتیں ہوتیں تو آپ کے علم میں ضرور آتیں یا کم از کم آپ ان کو سنتے ضرور!

اسی طرح طوسی نے بھی اس بات کا انکار کیا ہے کہ اس سلسلہ کی باتیں شیعوں

کی جانب منسوب کی جائیں جیسا کہ "التبیان فی تفسیر القرآن" (۱) میں موجود ہے۔

رہی بات کتاب سلیم بن قیس کی، تو اس کی نسبت ان کی جانب کرنا بجائے خود ایک جھوٹ ہے، کیونکہ اس کو وضع کرنے والا اور پھر اس کی نسبت سلیم ابن قیس کی جانب کرنے والا شخص ابان ابن ابی عیاش ہے۔

یہ ابان ابن ابی عیاش وہ شخص ہے جس کے بارے میں ابن المطہر الحلی اور اردبیلی کا کہنا ہے: "وہ حد درجہ ضعیف ہے، اور ہمارے علماء کا ماننا ہے کہ کتاب سلیم ابن قیس کو گڑھنے والا یہی ہے۔" (۲)

صفوی حکومت کے قیام کے بعد امام صادق و دیگر ائمہ (علیہم السلام) کی جانب روایات گڑھ کر منسوب کرنے کی ایک زبردست ہوا چل پڑی۔

اس سرسری جائزہ کے بعد ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ہمارے علماء کی تصنیفات ناقابل اعتماد اور ساقط الاعتبار ہیں، کیونکہ ان کی حفاظت کا کوئی خاطر خواہ سامان نہیں کیا گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ دشمن کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئیں اور پھر ان کی جو گت بنی وہ سب کے سامنے ہے۔

خارجی عناصر کا تیسرا پہلو

اب ہم شیعیت میں خارجی عناصر کے اثرات کا ایک اور پہلو سے جائزہ لیتے ہیں۔ یہ پہلو امام غائب کے حوالہ سے ہے جو کہ ایک اہم ترین مسئلہ ہے۔

امام غائب کا جھوٹا تصور

میرے فاضل دوست سید احمد کاتب نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی

(۱) طبع، النجف: ۱۳۸۳ھ۔ (۲) الحلی: ۲۰۶۔ جامع الرواۃ للاردبیلی: ۱/۹۔

ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ بارہویں امام کی نہ کوئی اصل ہے اور نہ ان کی شخصیت کا کوئی وجود۔ اس موضوع پر موصوف کی تحقیقات کے بعد مزید کسی تحقیق کی گنجائش باقی نہیں رہتی میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ بارہویں امام کا وجود سرے سے ممکن ہی نہیں کیونکہ ہماری معتبر کتابوں میں صاف صاف لکھا ہوا ہے کہ حسن عسکری۔ گیارہویں امام۔ کی اس حال میں وفات ہوئی کہ ان کے کوئی اولاد ہی نہیں تھی لوگوں نے ان کی وفات کے وقت ان کی بیویوں اور باندیوں کو دیکھا تو ان میں سے نہ کوئی صاحب اولاد تھی اور نہ کوئی حاملہ۔(۱)

فاضل محقق سید احمد کاتب نے بارہویں امام کے جانشینوں کے مسئلہ پر بھی محققانہ بحث کی ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی نیابت کا دعویٰ کرنے والے سب جھوٹے اور فریبی تھے، ان کا یہ دعویٰ محض اموال خمس کو ہتھیانے، ہدایا وتحائف کو سمیٹنے اور مزار کے چڑھاوؤں پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے تھا۔

امام غائب کے 'کارنامے'

آیئے! امام غائب (جنھیں ''امام قائم'' یا ''امام منتظر'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) کے ان کارناموں کا ایک جائزہ لیں جو وہ اپنے ظہور کے بعد انجام دیں گے:

۱۔ عربوں کا قتل عام

مجلسی روایت کرتے ہیں کہ امام منتظر عربوں پر ''جفر احمر'' کا حکم نافذ کریں گے یعنی ان کی گردنیں اڑائیں گے۔(۱) مزید کہتے ہیں: ''ہمارے اور

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: الغیبة للطوسی: صفحہ/۷۴۔ الارشاد للمفید: صفحہ/۳۴۵۔ اعلام الوریٰ للفضل الطبرسی: صفحہ/۳۸۰۔ المقالات والفرق للاشعری القمی: صفحہ/۱۰۲ (۲) بحار الانوار: ۳۱۸/۵۲۔

عربوں کے درمیان صرف خوں ریزی بچی ہے۔''(۱)

نیز یہ بھی روایت نقل کرتے ہیں: ''عربوں سے دور رہو، ان کے لیے بری خبر ہے، ان میں سے کوئی بھی امام قائم سے بچ نہیں سکے گا۔''(۲)

غور کیجئے: بہت سے شیعہ خود عربی النسل ہیں؛ تو کیا امام قائم کی تلوار کی زد ان پر بھی پڑے گی؟ اور وہ بھی موت کے گھاٹ اتارے جائیں گے؟ ہرگز نہیں!!

اس ڈرامہ کے پس پردہ ایسے کردار رہے ہیں جن کا ان زہریلے جراثیم کو پھیلانے میں اہم رول رہا ہے لیکن اس پر آپ کو تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جب انہی کی روایات کے مطابق کسریٰ تک کو جہنم سے خلاصی مل سکتی ہے تو پھر کیا ناممکن بچا؟ چنانچہ مجلسی امیر المؤمنین (علیہ السلام) کے حوالہ سے کہتے ہیں:

"ان الله قد خلصه (أی کسریٰ) من النار وأن النار محرمة علیه"(۳)

(اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو جہنم سے خلاصی دے دی اور جہنم کی آگ اس پر حرام کردی گئی)

کیا یہ بات عقل کی کسوٹی پر کھری اترتی ہے کہ امیر المؤمنین (علیہ السلام) اپنی زبان مبارک سے ایسی بات کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو جہنم سے نجات دے دی اور دوزخ کی آگ کو اس پر حرام کردیا؟

۲۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی کی مسماری

مجلسی ہی روایت کرتے ہیں:

"ان القائم یهدم المسجد الحرام حتیٰ یردّه الی أساسه والمسجد النبوی الی أساسه"(۴)

(۱) بحار الانوار: ۳۴۹/۵۲۔ (۲) بحار الانوار: ۳۳۳/۲۵۔

(۳) البحار: ۴/۴۱۔ (۴) بحار الانوار: ۳۳۸/۵۲، الغیبة للطوسی: ۲۸۲۔

(اما قائم مسجد حرام کو مسمار کریں گے، اور اس کو اس کی بنیاد تک لوٹا دیں گے، اور یہی حشر مسجد نبوی کا بھی کریں گے۔)

مجلسی ہی کا بیان ہے کہ:

''امام قائم پہلا کام یہ کریں گے کہ ان دونوں یعنی ابوبکر وعمر کی لاش کو بالکل تر وتازہ باہر نکالیں گے اور پھر دونوں کو ہوا میں اڑا دیں گے اور مسجد کو ڈھا دیں گے''۔(۱)

ہمارے فقہاء وعلماء کے یہاں یہ صرف مشہور ہی نہیں بلکہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کعبۃ اللہ کی کوئی اہمیت نہیں، کربلا کی سرزمین اس سے بدرجہا افضل وبرتر ہے، کربلا کا یہ ٹکڑا روئے زمین کا افضل ترین حصہ ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت پسندیدہ، مقدس اور بابرکت ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول کا حرم اور اسلام کا قبلہ ہے، اس کی مٹی میں شفا ہے، اور زمین کا کوئی حصہ حتیٰ کہ کعبہ بھی اس کی ہمسری نہیں کر سکتا!!

ہمارے استاذ سید محمد حسین آل کاشف غطاء استشہاد کے طور پر اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ومن حدیث کربلا والکعبه — لکربلا بان علو الرتبه

(کربلا اور کعبہ کی بات کی جائے تو کربلا کا ہی مرتبہ بلند ہوگا

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

هی الطفوف فطف سبعاً بمغناها — فمالمكة معنى مثل معناها

أرض ولكنها السبع الشداد لها — دانت وطأ أعلاها لأدناها

(ساری بلندیاں یہیں ہیں، تم اسی کی آبادی کا طواف کیا کرو، کیونکہ اس کی جو حیثیت ہے وہ مکہ کی نہیں۔ یہ دیکھنے میں زمین کا ایک ٹکڑا ہے لیکن ساتوں

(۱) البحار:۳۸۶/۵۲۔

زمینیں اس کے آگے سجدہ ریز ہیں، اور مکہ کا اعلیٰ ترین مقام بھی اس کے ادنیٰ کے سامنے ہیچ ہے)۔

آخر کیوں؟

کیا ہمیں یہ پوچھنے کا حق ہے کہ امام قائم کو آخر کیا ضرورت پیش آئے گی کہ وہ مسجد کو منہدم کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجائیں اور اس کی بنیادوں کو ہموار کر دیں؟!

شاید اس کا جواب یہی ہیکہ امام قائم کی تلوار کی زد سے بچنے والے مسلمانوں کی تعداد دس فیصد سے بھی کم ہوگی، جیسا کہ طوسی کا بیان ہے کہ امام قائم کی حکومت اسی وقت قائم ہوگی جب نوے فیصد لوگوں کو تہہ تیغ کر دیا جائے گا۔(۱)

۳۔ آل داود کی حکومت کا قیام

کلینی نے اس سلسلہ میں مستقل ایک باب ہی قائم کیا ہے کہ ''ائمہ کرام کو جب اقتدار ملے گا تو وہ آل داود کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے، اور کسی سے کوئی گواہی نہیں طلب کریں گے''، پھر اس سلسلہ میں ابوعبداللہ (علیہ السلام) کی ایک روایت نقل کی ہے کہ: ''جب خانوادۂ محمد کے امام قائم کا ظہور ہوگا تو وہ داؤد وسلیمان کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے اور وہ کسی سے کوئی دلیل نہیں مانگیں گے''۔

مجلسی روایت کرتے ہیں:

"يقوم القائم بأمر جديد و كتاب جديد وقضاء جديد."(۲)

(امام قائم نئی شریعت، نئی کتاب اور نیا حکم نامہ لے کر آئیں گے۔)

ابوعبداللہ (علیہ السلام) فرماتے ہیں: ''میں رکن (حجر اسود) اور مقام (ابراہیم) کے

(۱) الغیبۃ:صفحہ/۱۴۶۔(۲) الاصول من الکافی:۳۹۷/۱۔(۳) البحار:۳۵۴/۵۲۔غیبۃ النعمانی:۱۸۴۔

درمیان امام قائم کو لوگوں سے نئی کتاب پر بیعت لیتے ہوئے دیکھ رہا ہوں"۔(۱)

اب اخیر میں مجلسی کی وہ روایت پیش ہے جسے سن کر آپ کے ہوش اڑ جائیں گے وہ ابوعبداللہ (علیہ السلام) سے نقل کرتے ہیں:

"لو يعلم الناس ما يصنع القائم اذا خرج لأحب أكثرهم ألا يروه مما يقتل الناس...حتى يقول كثير من الناس :ليس هذا من آل محمد ،ولو كان من آل محمد لرحم."(۲)

(امام قائم اپنے ظہور کے بعد جو کچھ انجام دیں گے ،اور جس قدر بے دردی کے ساتھ انسانی خون بہائیں گے اس کا علم اگر لوگوں کو ہو جائے تو اکثریت انکی شکل بھی دیکھنا گوارا نہ کرے۔ بہت سے لوگ تو یہ تک کہہ دیں گے کہ یہ محمد کے خاندان سے نہیں ہو سکتے !اگر ان کا اس خاندان سے دور کا بھی رشتہ ہوتا انسانی جانوں پر انھیں ترس ضرور آتا۔)

میں نے سید صدر سے اس روایت کی وضاحت چاہی تو یوں گویا ہوئے:

"ان القتل الحاصل بالناس أكثره مختص بالمسلمين."

(اس قتل عام کی بھینٹ چڑھنے والوں کی اکثریت مسلمان ہی ہوگی۔)

پھر انھوں نے امام کے ظہور کے بعد کے حالات پر لکھی ہوئی اپنی کتاب کا ایک نسخہ مجھے دیا، جس میں انھوں نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ،اس نسخہ پر آنجناب کی دستخط موجود ہے۔

روایات کا تجزیہ

امام غائب کے "کارناموں" سے متعلق جو روایات گذری ہیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تنقیدی جائزہ لیا جائے:

(۱) البحار :۳۵۳/۵۲،الغیبة:صفحہ/۱۳۵۔ (۲)البحار :۳۵۳/۵۲، الغیبة:صفحہ۱۳۵۔

۱۔عربوں کے خلاف امام قائم کی تلوار کیوں بے نیام ہوگی ؟ کیا رسول اللہ (ﷺ) خود عربی نہیں تھے؟

۲۔کیا امیر المؤمنین (علیہ السلام) اور ان کی اولاد اطہار کا تعلق عربوں سے نہیں تھا؟

۳۔عربوں کا قتل عام کرنے والے امام قائم کیا امیر المؤمنین (علیہ السلام) کی اولاد میں نہیں ہیں؟ اور کیا وہ عربی النسل نہیں ہیں؟!

۴۔کیا عرب کی لاکھوں کی آبادی میں امام قائم اور انکے ظہور پر ایمان رکھنے والا ایک فرد بھی نہیں ہے؟

۵۔تو پھر عربوں ہی کو کیوں وہ اپنی تلوار کا نشانہ بنائیں گے ؟اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ امام قائم کا ساتھ دینے والا ان میں کوئی نہیں ہوگا؟

اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کو منہدم کر دیں؟ جب کہ قرآن کریم میں صراحت سے موجود ہے کہ مسجد حرام ہی مسلمانوں کا قبلہ ہے اور روئے زمین پر تعمیر ہونے والا اولین خانۂ خدا ہے، نبی کریم (ﷺ) نے اس میں نمازیں پڑھیں ،امیر المؤمنین اور آپ کے بعد دیگر ائمہ کرام (علیہم السلام) اور بالخصوص امام صادق (علیہ السلام) نے بھی اس میں نمازیں ادا کیں ،اور امام صادق (علیہ السلام) نے تو اس میں ایک طویل مدت تک قیام بھی کیا۔

ایک عرصہ تک ہم یہ سمجھتے رہے کہ امام قائم مسجد حرام کو منہدم کر کے اسے اس شکل میں تبدیل کر دیں گے جیسی توسیع سے قبل آپ (ﷺ) کے زمانہ میں تھی، لیکن بعد میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ "اس کو اس کی اصل بنیاد تک لوٹا دیں گے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسجد کو منہدم کر کے بالکل زمین کے برابر کر دیں گے، کیونکہ اس وقت کوفہ کو قبلہ کی حیثیت حاصل ہوگی۔

فیض کاشانی کہتے ہیں:

"يا أهل الكوفة !لقد حباكم الله عزوجل بمالم يحب أحد ا

من فضل ،مصلاكم بيت آدم ونوح وبيت ادريس ومصلى ابراهيم ولاتذهب الأيام حرى تنصب الحجر الأسود فيه."(۱)

(اے کوفہ والو! اللہ تعالیٰ نے تم پر وہ انعامات کیے ہیں جو کسی اور پر نہیں کیے، تمہارے لیے نماز پڑھنے کی یہ جگہ آدم، نوح، اور ادریس کا مسکن اور ابراہیم علیہم السلام کی جائے نماز ہے، بس کچھ ہی دن کی بات ہے کہ حجر اسود بھی لاکر یہیں نصب کردیا جائے گا۔)

حجر اسود کو مکہ سے کوفہ منتقل کرنا اور کوفہ کو آدم، نوح، ادریس اور ابراہیم کی جائے نماز قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد حرام کو منہدم کرنے کے بعد کوفہ کو قبلہ کا درجہ دے دیا جائے گا۔

اگر یہ مفہوم نہ لیا جائے تو مسجد حرام کو توسیع سے قبل کی حالت پر لوٹانے کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا اور یہ بات بے معنی ہوجاتی ہے، لہٰذا روایات کے مطابق اس کو منہدم کرکے اس کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکنا ہی ضروری ٹھہرتا ہے، تبھی قبلہ وحجر اسود کوفہ میں ہوگا۔ اور یہ بات ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ہمارے فقہاء کے نزدیک کعبہ کی کوئی اہمیت نہیں، لہٰذا ان کی نظر میں اس کو منہدم کردینا ہی ضروری ہے۔

ہم یہ بھی پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ نئی چیز کیا ہوگی جسے امام قائم نافذ کریں گے؟ اور وہ نئی کتاب اور نئی شریعت کیا ہوگی جسے وہ لے کر آئیں گے؟ جس چیز کو وہ لے کر آئیں گے اگر وہ آل محمد ہی کی شریعت ہے تو یہ تو کوئی نئی بات نہیں ہوئی!! اور اگر ان کی کتاب ان ہی کتابوں میں سے ہے جو ہمارے دعوؤں کے مطابق امیر المؤمنین کے ساتھ خاص تھیں تو اس میں بھی کوئی نیا پن نہیں ہے۔ ہاں! اگر ان کتابوں کے علاوہ کوئی اور کتاب ہوگی اور شریعت محمدی کے علاوہ کوئی اور شریعت ہوگی تب تو نئی بات ہوگی اور ایک نئی شریعت ہوگی، اور نئی بات کیوں نہ

(۱) الوافی: ۲۱۵/۱۔

ہو جب کہ امام قائم تو آل داؤد کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے!! جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔

جی ہاں فیصلے آل داؤد کے فیصلوں کے مطابق ہوں گے، کتاب ان ہی کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہوگی، اور فیصلہ ان ہی کی شریعت کے مطابق کوئی فیصلہ ہوگا؛ اسی وجہ سے یہ نیا کہلائے گا۔ اسی لیے روایت میں آتا ہے کہ: "گویا کہ میں رکن ومقام کے درمیان انہیں ایک نئی کتاب پر لوگوں سے بیعت لیتے ہوئے دیکھ رہا ہوں"۔

اب رہی بات مجلسی کی اس روایت کی جس کی تفصیلات رونگٹے کھڑے کردینے کے لیے کافی ہیں، جس کے مطابق امام قائم خون کی ندیاں بہائیں گے، اور بے دردی وسفاکی کا جو ریکارڈ قائم کریں گے اس کی وجہ سے لوگ یہ آرزو کریں گے کہ ان کا چہرہ بھی دیکھنا نصیب نہ ہو، اور یہ بھی کہیں گے کہ اس شخص کا خاندان محمد سے کوئی تعلق نہیں، اگر یہ خاندان محمد کا فرد ہوتا تو رحمت وشفقت کا دامن ہاتھ سے ہرگز نہ چھوٹنے پاتا!

ایک مرتبہ ذہن میں یہ سوال پھر گردش کرتا ہے کہ: "امام قائم کس کا خون بہائیں گے؟ اور یہ کن لوگوں کا خون ہوگا جسے وہ اتنا ارزاں سمجھیں گے؟ یہ کسی اور کا نہیں اسلام کے ماننے والوں کا خون ہوگا!! جس کی صراحت گذشتہ روایات میں ہو چکی ہے اور اس پر سید صدر کی وضاحت بھی گذر چکی ہے۔

ایسے میں تو یہی کہا جائے گا کہ امام قائم کا ظہور مسلمانوں کے لیے رحمت کے بجائے عذاب ہے، تب تو وہ بالکل بجا کہیں گے کہ ان کا آل محمد سے کوئی رشتہ نہیں کیونکہ آل محمد مسلمانوں کے حق میں رحیم وشفیق ہیں۔ اور جب امام قائم کے اندر رحمت وشفقت کا مادہ ہی نہیں تو پھر وہ آل محمد میں سے کیسے ہوسکتے ہیں؟ کیا وہی ہیں جو انسانیت کو ظلم وستم کی چکی میں پیسنے کے بعد پھر اس زمین پر عدل وانصاف کے چراغ روشن کریں گے؟

یہ کیسا انصاف!

یہ کیسا انصاف ہے کہ نوے فیصد لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور ان میں بھی اکثریت مسلمانوں کی ہو؟ یہ وہ جرم ہے جس کا ارتکاب انسانیت کی پوری تاریخ میں کسی نے نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ کمیونسٹ بھی اس کی جرأت نہ کر سکے جو لاشوں کے ڈھیر پر بھی اپنے نظریات منوانے کے عادی تھے۔

ہم یہ پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں کہ امام قائم کی کوئی حقیقت نہیں، اور نہ ہی ان کا کوئی وجود ہے، پھر بھی کہا جاتا ہے کہ وہ آئیں گے اور آل داؤد کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے، عربوں اور مسلمانوں کا صفایا کریں گے، ان کا بے دریغ خون بہائیں گے، مسجد حرام اور مسجد نبوی (ﷺ) کو منہدم کر دیں گے، وہاں سے حجر اسود کو اٹھا لائیں گے، نئی شریعت اور نئی کتاب پیش کریں گے اور نیا فیصلہ نافذ کریں گے۔ تو آخر یہ امام قائم ہیں کون؟ اور اس سے مقصود ہے کیا؟

اثنا عشریہ کا مفہوم

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آپ کو اس طرف بھی متوجہ کرتے چلیں کہ ہمارے شیعہ بھائیوں نے بارہ امام کا جو تصور قائم کر رکھا ہے، جس پر انھیں اصرار بھی ہے، وہ تعداد دراصل بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی نمائندگی ہے، شیعوں نے صرف اس تعداد کی طرف انتساب پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس عدد سے نیک شگون لیتے ہوئے خود کو ''اثنا عشریہ'' کے نام سے متعارف کرایا۔

حضرت جبرئیل سے نفرت

شیعوں کو جبرئیل اور روح الامین (جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں توصیف

بیان کی ہے) سے بھی چڑ ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ جبرئیل خائن ہیں، کیونکہ نبوت کی جس امانت کو حضرت علی تک پہنچانے کی انھیں ذمہ داری دی گئی تھی اس میں انھوں نے خیانت سے کام لیا، اور حضرت علی (علیہ السلام) کے بجائے محمد کے پاس یہ امانت لے کر پہنچ گئے۔(۱) جبرئیل (علیہ السلام) کو خائن قرار دینا فرقۂ غرابیہ اور فرقۂ کیسانیہ کا عقیدہ ہے، اور یہ دونوں فرقے شیعوں کے ہیں۔) اسی وجہ سے وہ جبرئیل امین سے نفرت کرتے ہیں، اور ان سے نفرت کرنا یہودیوں کا بھی شیوہ رہا ہے، اسی لیے جبرئیل سے نفرت کرنے والوں پر نکیر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ، مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ" (البقرة:۹۷/۹۸)

(ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو دشمن ہے جبرئیل کا (وہ خوب سمجھ لے کہ) انھوں نے تو یہ (قرآن) اللہ کے حکم سے آپ کے قلب پر اتارا ہے، جو تصدیق کرنے والا ہے اس (کلام) کی جو پہلے سے ہے، اور ہدایت ہے اور خوشخبری ہے مؤمنوں کے لیے، آپ کہہ دیجیے کہ جو بھی دشمن ہے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل کا اور میکائیل کا، تو اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کا دشمن ہے۔)

اس آیت میں جبرئیل سے دشمنی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کافر قرار دیتا ہے، اور یہ بھی تنبیہ کرتا ہے کہ ان سے دشمنی کرنے والا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔

نماز جمعہ کا سقوط

شیعیت کو امت مسلمہ کے صراط مستقیم سے دور کرنے میں خارجی عناصر نے جو کردار نبھایا ہے اسکا ایک اثر یہ بھی پڑا کہ شیعوں پر سے نماز جمعہ کی فرضیت ساقط

(۱) البحار: ۵۲/۳۷۶۔

کردی گئی اور اس کی وجہ یہ بتلائی گئی کہ نماز جمعہ صرف امام معصوم کی اقتدا میں ہی ادا کی جاسکتی ہے۔

البتہ اب ایسے فتوے بھی آئے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ نماز جمعہ حسین کے نام پر قائم بڑے بڑے امام باڑوں میں ادا کی جاسکتی ہے۔ یہ بھی بہت غنیمت ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اس کی طرف ذمہ داروں کو متوجہ کرنے میں احقر کی کوششیں بھی کارگر ثابت ہوئی ہیں، مجھے اس پر اللہ کے یہاں بڑے اجر وثواب کی امید ہے۔

لیکن میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ سوال اٹھتا ہے کہ ہماری گذری ہوئی نسلوں کو تقریباً ایک ہزار سال تک فریضۂ جمعہ کی ادائیگی سے محروم کرنے کا محرک کون تھا؟ وہ کون سے خفیہ ہاتھ تھے جو اپنی عیاری اور مکاری کی بدولت شیعوں کو جمعہ سے دور رکھنے میں کامیاب ہوئے حالانکہ اقامت جمعہ کی فرضیت پر صریح قرآنی نصوص موجود ہیں؟!

اخلاقی انارکی

یہ خفیہ اور ناپاک ہاتھ مستقل سرگرم عمل ہیں اور اپنا زہر تیزی سے پھیلانے میں مصروف ہیں، ابھی کل ہی کی بات ہے کہ حوزہ کے سرپرست کی طرف سے یہ ہدایات جاری کی گئیں کہ جس قدر ہوسکے ظلم کو عام کرتے رہو اور فساد کو ہوا دیتے رہو اور اس قدر ہوا دو کہ امام مہدی (امام قائم) اپنے غار سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں، کیونکہ جب تک ایسا نہیں ہوگا امام مہدی کی آمد کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ شیعوں کی ایک بڑی تعداد نے اس آواز پر لبیک کہا اور ان تعلیمات کا اپنی زندگیوں میں نفاذ شروع کردیا، ہر قسم کے بگاڑ کو ایک تحریک کی شکل دے دی، اور انقلابی شہر بغداد میں اس تحریک کی قیادت سید بروجری نے سنبھال لی۔

چنانچہ بغداد کی سڑکوں پر جب کوئی نوجوان گزرتا ہے اور کسی مہ جبیں سے اس کی نگاہیں چار ہوتی ہیں تو اس کا جواب وہ ایک تبسم یا آنکھوں کے اشارہ سے دیتی ہے۔

حوزہ کی انتظامیہ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آگے بڑھ کر اس اخلاقی بگاڑ کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر کرنے، اور عراق کے چپہ چپہ تک اس کو پھیلانے کے مقصد سے سیاحت اور شمالی عراق میں گرمی کا سیزن گزارنے کے ٹورسٹ پروگرام بنائے، اس کے لیے بڑی بڑی بسیں کرائے پر لینے کا اہتمام کیا، اور جنوبی عراق کے باشندوں کی نگاہوں میں شمال کے سیاحتی سفر کو دلچسپ بنا کر پیش کیا۔

چنانچہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان سیاحوں میں بوڑھا مرد بھی ہے اس کی بوڑھی بیوی بھی ہے، پھٹے پرانے کپڑے ہیں، سیر وسیاحت کے اخراجات تو دور کی بات انھیں تو ایک وقت کی خوراک بھی میسر نہیں! مگر ہر فیملی اپنے ساتھ کچھ پری جمال نازنینوں کو بھی رکھے ہوئے ہے، جب "صلاح الدین، تکریت موصل، دھوک، اربیل اور کرکوک" جیسے علاقوں سے ان کا یہ قافلہ گزرتا ہے تو آخر شب کے تھکے ہوئے یہ مسافر ستانے کے لیے کچھ دن قیام کا فیصلہ کرکے اپنا رخت سفر کھول دیتے ہیں، پھر یہ دولت حسن کی سودائی نازنینیں وہاں کے بازاروں کا رخ کرتی ہیں اور اپنا حسن عریاں نوجوانوں پر نچھاور کرتی ہیں، اور پھر موسم گرما گزارنے کے لیے جن علاقوں کا رخ کیا جاتا ہے وہاں پہنچ کر مسافروں کے یہ قافلے کیا کچھ کرگزرتے ہیں اس کی منظر کشی سے میرا قلم عاجز ہے، اور میری زبان قاصر ہے!!

ان ہدایات کو جاری کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ اخلاقی بگاڑ کو زیادہ سے زیادہ ہمہ گیر شکل دی جائے اور ملک کو تباہی وبربادی کے عمیق غار میں دھکیل دیا جائے؟!

رہی بات بارہویں امام (یعنی امام قائم) کے ظہور کی تو مجھے پورا یقین ہے کہ وہ بھی میرے اس احساس میں شریک ہیں کہ اس امام کا کوئی وجود اور کوئی اصل نہیں۔ اب آپ لوگ ہی دیکھ لیں کہ یہ ناپاک اور گندے ہاتھ کیسا گھناؤنا کھیل کھیلتے آئے ہیں، اور ان کے کھیل کا یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!

☆☆☆☆☆

آخری بات

کرب انگیز حقائق کی اس جاں گسل وادی سے گذرنے کے بعد سوال یہ اٹھتا ہے کہ اب مجھے کیا موقف اختیار کرنا چاہیے؟

کیا میں جس مقام اور حیثیت پر ہوں اس پر بدستور قائم رہوں؟اور سادہ لوح انسانوں سے خمس اور نذرانوں کے نام پر خوب مال ودولت اکٹھا کرتا رہوں؟ عمدہ قسم کی لگژری گاڑیوں پر سفر کروں؟ خوبصورت حسیناؤں کے ساتھ رنگ رلیاں مناؤں؟ یا پھر یہ کہ اس دنیوی جاہ ودولت پر جو ایک نہ ایک دن ختم ہو کر رہے گی لات ماردوں، اوران حرام کاریوں سے بالکل اپنا دامن محفوظ رکھوں اور دنیا کے سامنے حق کی صدا لگادوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے موقع پر خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہوتا ہے؟!!!

مجھ پر اچھی طرح یہ حقیقت واضح ہو چکی کہ عبداللہ ابن سبا یہودی ہی تھا جس نے شیعیت کی بنیاد رکھی، مسلمانوں کو خانوں میں بانٹ دیا، اور ان کے مابین بغض وعداوت کی دیواریں کھڑی کردیں، جب کہ ایمان اور محبت کی کرشمہ سازی نے ان میں الفت واتحاد پیدا کر دیا تھا، اوران کے دلوں کو ایک دوسرے سے جوڑ رکھا تھا۔

یہ حقیقت بھی مجھ پر کھلی کہ ہمارے اسلاف (اہل کوفہ) نے اہل بیت کے ساتھ کیا کچھ ناروا سلوک کیا! ہماری کتابیں شاہد ہیں کہ ائمہ کرام پر کس قدر کیچڑ اچھالا گیا، ان پر کیسے نشتر چلائے گئے، اور بالآخر اہل بیت نے شیعوں کی حرکتوں سے تنگ اور عاجز آکران کو پھٹکار سنائی! گذشتہ صفحات میں یہ سب باتیں بیان کی جا چکی ہیں، تاہم ان کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے امیر المؤمنین کا یہی ارشاد کافی ہے:

امیر المؤمنین (علیہ السلام) فرماتے ہیں: اگر میں شیعوں کو پرکھ کر الگ کروں تو ان میں صرف چاپلوس نظر آئیں گے، اگر میں ان کا امتحان لوں تو سب بے وفا نکلیں گے،

اگر ان کو چھانٹوں تو ہزار میں ایک بھی میرا نہ ہو!(۱)

اس حقیقت سے بھی میں آگاہ ہوا کہ شیعہ اللہ رب العزت کی تکذیب کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو صاف کردیا کہ قرآن کریم میں دست برد اور اس کے ساتھ کھلواڑ کے لیے نہ کوئی ہاتھ آگے بڑھ سکا ہے نہ بڑھ سکے گا!!! اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے رکھی ہے، لیکن ہمارے فقہاء کو اصرار ہے کہ قرآن کریم تحریف شدہ ہے، تو اس طرح ہمارے فقہاء اللہ تعالیٰ کے قول کو جھٹلاتے ہیں، تو اب میں کس کی بات تسلیم کروں؟ کیا ان فقہاء کی؟؟ یا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی؟؟!

میں نے یہ حقیقت بھی اچھی طرح سمجھ لی کہ متعہ حرام ہے لیکن ہمارے فقہاء نے اس کو حلال ٹھہرا رکھا ہے، اور اس کی حلت اپنے حدود سے بڑھتی گئی یہاں تک کہ نوبت با ایں جا رسید، نوخیز لونڈوں تک کو اس نے سمیٹ لیا۔

میں نے یہ بھی جان لیا کہ شیعوں پر خمس کا ادا کرنا واجب نہیں ہے اور نہ فقہاء اور مجتہدین کے لیے اس کو لینا درست ہے بلکہ یہ تو شیعوں کا اپنا حق ہے اور انہی کے لیے ہے اور اس پر تا قیامت انہی کا اختیار رہے گا لیکن ہمارے فقہاء ہیں کہ صرف اور صرف اپنے ذاتی مفادات کی خاطر لوگوں پر اس کی ادائیگی کو لازم ٹھہراتے ہیں۔

یہ راز بھی مجھ پر کھل گیا کہ شیعیت کے ساتھ کچھ ناپاک خفیہ ہاتھوں نے مستقل اور خوب کھلواڑ کیا، اور اس کی جو درگت بنائی اس پر پچھلے صفحات میں کچھ روشنی ڈالی جا چکی ہے، تو پھر اب شیعیت میں باقی رہنا میرے لیے کیونکر روا ہو سکتا ہے؟!

شیعہ فقہاء کی مشہور روایت ہے، محمد ابن سلیمان اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے عرض کیا: میری جان آپ پر قربان! ہم پر ایک ایسا رسوا کن لقب چسپاں کر دیا گیا جس نے ہماری کمر توڑ دی، اور ہمارے دلوں پر موت طاری کردی، جس کے نتیجہ میں حاکموں نے ہمارے قتل کو جائز ٹھہرادیا۔

ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے پوچھا: کیا تمھیں "رافضہ" کہا جاتا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔

---

(۱) الکافی: ۸/۳۳۸۔

فرمایا: واللہ! لوگوں نے تمہارا نام ''رافضہ'' نہیں رکھا، یہ نام تو اللہ نے رکھا ہے! (۱)

جب ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے خود یہ گواہی دے دی کہ (اہل بیت کو ٹھکرا دینے کی وجہ سے) وہ ''رافضی'' ہیں، اور اس کی صراحت بھی کر دی کہ ان کا یہ نام خود اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا ہے تو اب میں کون ہوتا ہوں ان سے واسطہ رکھنے والا؟!

مفضل ابن عمر کہتے ہیں: میں نے ابو عبداللہ (علیہ السلام) کو کہتے سنا کہ ''جب ہمارے ''قائم'' آئیں گے تو ''کذابین شیعہ'' کے قتل سے اپنے مشن کا آغاز کریں گے''۔ (۲)

کیا وجہ ہے کہ ''کذابین شیعہ'' کے قتل سے وہ اپنے مشن کا آغاز کریں گے؟ دوسروں سے قبل ان کی گردنوں پر ننگی تلوار اس لیے رکھی جائے گی کہ سنگین سے سنگین افترا پردازیاں انھوں نے کیں، اور ''متعہ ولواطت، اموال خمس کی فرضیت، تحریف قرآن کا افسانہ، عقیدۂ بداء اور ائمہ کی رجعت'' جیسی خرافاتوں کو خدا کا وہ دین بنا دیا جس سے انھیں اس کا قرب خاص ملے گا! تمام شیعہ علماء وفقہاء ومجتہدین ان خرافاتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ رب العزت جلد وہ دن ہماری آنکھوں کو دکھائے جب ''قائم'' کی تلوار ان کی گردنوں کو یک قلم تن سے جدا کر دے گی، ان ظالموں میں سے دیکھتے ہیں کون بچتا ہے!!

ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے مروی ہے کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں منافقین کے متعلق جو آیتیں نازل کی ہیں وہ سب شیعیت کے انہی دعویداروں پر صادق آتی ہیں''۔ (۳)

بالکل سچ فرمایا ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے! (میرے ماں باپ آپ پر قربان!)۔

جب منافقین کے متعلق اترنے والی آیتیں ''شیعیت'' کے دعویداروں پر منطبق ہوتی ہیں تو پھر میں ان کے زمرہ میں کیسے رہ سکتا ہوں؟؟

ان ساری وضاحتوں کے بعد کیا شیعوں کا یہ دعویٰ درست ہوگا کہ وہ اہل بیت کے مذہب کے علمبردار اور انہی کے طریقہ پر عامل ہیں؟! اس حقیقت سے پردہ اٹھ جانے کے بعد وہ کس زبان سے پھر اہل بیت سے محبت کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟!!

---

(۱) روضة الكافي: ۵/۳۴۔ (۲) رجال الكشي: ۲۵۳/ترجمة ابن الخطاب

(۳) رجال الكشي: ۲۵۴/أبي الخطاب

اب مجھے ان سارے سوالات کا جواب مل چکا ہے جو میری آنکھوں سے نیند اڑاتے اور میرے دل کو بے چین رکھتے تھے!!

ان حقائق کو جان لینے کے بعد میں اس بات پر غور کرنے لگا کہ شیعہ گھرانے میں میری پیدائش کی وجہ کیا ہے؟ اور میرے گھر والے اور میرے رشتہ دار شیعہ کیوں ہیں؟ غور وفکر کے بعد پھر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ میرا خاندان پہلے اہل سنت کے مذہب پر تھا، پھر تقریباً ڈیڑھ دو سو سال قبل شیعیت کی اشاعت وتبلیغ کے لیے ایران سے کچھ شیعہ مبلغ جنوبی عراق آئے، بعض قبائل کے ذمہ داروں سے انھوں نے ملاقاتیں کیں، اور ان کی سادہ لوحی اور کم علمی کا ناجائز فائدہ اٹھایا، میٹھے بول بول کر ان کو شیشہ میں اتار لیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سب شیعیت کے دام فریب میں گرفتار ہو گئے۔ بہت سے قبائل اور خاندان اسی طریقہ سے شیعیت میں داخل ہوئے ہیں جب کہ پہلے وہ سب اہل سنت کے مذہب پر قائم تھے۔

علمی امانت

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک علمی امانت کے طور پر بعض ان خاندانوں کا تذکرہ کر دوں جو پہلے سنی تھے بعد کو شیعہ بنے) بنو ربیعه، بنو تمیم، خزاعل، زبیدات، عمیر (یہ قبیلۂ تمیم اور خزرج کی شاخیں ہیں)۔ شمر طوكة الدار. دفافعه، ال محمد (یہ عمارة کے خاندان ہیں) قبائل ديوانية (آل اقرع اور آل بدير ہیں)۔ عفج. جبور. جليحة. قبيلۂ كعب اور بنو لام وغیرہ وغیرہ جن کی ایک طویل فہرست ہے۔

یہ سب عراق کے مشہور عربی النسل قبائل ہیں، جو اپنی شجاعت وبہادری، خودداری وبیباکی، اور جود وسخا میں معروف ہیں، یہ وہ خاندان ہیں جن کا سوسائٹی میں ایک وزن اور ایک مقام ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس! ڈیڑھ دو سو سال قبل ایران سے شیعیت کی جو لہریں اٹھ کر یہاں پہنچیں تو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، ایران سے آنے والے شیعیت کے مبلغوں نے بڑی چالاکی سے اپنے جھانسے میں لے کر ان سب کو شیعیت کے دائرہ میں داخل کر لیا۔

یہ خوددار وغیور قبائل اپنی شیعیت کے باوجود یہ بات بھول بیٹھے ہیں کہ خوں ریزی

کے لیے امام قائم کی تلوار کو ان ہی کی گردنوں کا انتظار ہے، کیونکہ شیعوں کی کتابوں کے مطابق امام قائم کی تلوار عربوں کا (ان کی شیعیت کے باوجود) یک لخت صفایا کردے گی۔
اب یہ قبائل راہ دیکھیں کہ امام قائم کی تلوار کب ان کو موت کی نیند سولائے گی!

اظہار حق

اللہ رب العزت نے اہل علم سے عہد لیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے حق بات کھول کر رکھیں گے، لیجیے! میں کھول کھول کر حقیقت بیان کر رہا ہوں، سوتوں کو جگا رہا ہوں، خواب غفلت میں مست انسانوں کو بیدار کر رہا ہوں!

ان عربی النسل قبائل سے میری مخلصانہ اپیل ہے کہ اپنے اصل کی طرف لوٹیں، دل کی آنکھیں کھول دیں، اور ان جبوں دستاروں کے جھانسے میں نہ آئیں جو لوگوں سے خمس اور نذراوں کے نام پر ان کا مال اینٹھتے اور متعہ کے نام پر ان کی شریف زادیوں کے دامن عصمت وعفت کو تارتار کردیتے ہیں، اور گذشتہ صفحات میں اس حقیقت کو ثابت کیا جاچکا ہے کہ خمس اور متعہ وغیرہ سراسر حرام ہے۔

میں ان خاندانوں کو ایک بار پھر دعوت دیتا ہوں کہ اپنی تاریخ پر نظر کریں اور اپنے اسلاف کی تاریخ کا مطالعہ کریں تاکہ چقطع مقطع صاحبان جبہ ودستار فقہاء ومجتہدین نے صرف اور صرف اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کی خاطر جس حقیقت کو کھرچ کھرچ کر مٹانے کی کوشش کی ہے اس حقیقت پر سے پردہ اٹھ جائے۔

اس طرح میں اپنی ذمہ داری سے کچھ حد تک سبکدوش ہو رہا ہوں!

خدایا! تیرے حبیب سے میری محبت کا واسطہ! تیرے حبیب کے اہل بیت اطہار سے میری عقیدت ومحبت کا واسطہ! میری اس کوشش کو دنیا وآخرت میں شرف قبول سے نواز دے! اپنی رضائے خاص کا اس کو ذریعہ بنادے، اور اس کے نفع کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر فرمادے! آمین!

والحمد لله من قبل و من بعد

Mazloom Ahl-e-Bait
ka
Muqadma

IMAM JA'AFAR SADIQ ACADEMY
LUCKNOW